قصے



عائشہ اسلم

می رقصم

خالی

می رقصم

عائشہ اسلم

سانجھ

می رقصم   ناولٹ   عائشہ اسلم

اشاعت اوّل : 2021

ٹائٹل : علی ظفر اونی (ony)

aaysha.aslam@gmail.com
http://www.facebook.com/aaysha.aslam

Mee-Raqsam

(Novelt by Ayesha Aslam)

Printed by:

Bilawal javed Press, Lahore.

Price:

In Pakistan: Rs. 360.00

Published by:

سانجھ
SANJH
PUBLICATIONS

Book Street, 46/2 Mozang Road, Lahore, Pakistan.
Phone: +92 333-4051741
e-mail: sanjhpk@yahoo.com, sanjhpks@gmail.com
Web: www.sanjhpublications.com

ISBN: 978-969-593-363-3

انتساب

امی جان!
آپ کے نام
آپ کے صدقے ہر ماں کے نام

میں تیرے وجود کا حصّہ ہوں
تو ہے میرا وجود
نہ میں تجھ سے جُدا ہوں
نہ تو ہے مجھ سے خفا
مجھے جو حرف ملے
سب تری ہی بدولت ہیں
مجھے جو فخر ملے
سب تری ہی دولت ہیں
ترے قدم کا ہے بوسہ
مری وفا کا ثبوت
''گر قبول اُفتد زہےِ عز وشرف''

خالی

فہرست

پیش لفظ

میری سجدہ گاہ سے اُن کے قحبہ خانے کا سفر بہت کٹھن اور اذیت ناک ہے۔
نہ تو پارسائی کا دعویٰ ہے اور نہ ہی بستر کی سلوٹ بننے کا ملال ہے۔
ہم نے تو ہر دور کی مریم کو داغدار کیا ہے۔قسم کھا رکھی ہے رسوا کرنے کی۔
ہم ابلیس کے پیروکار ہیں اور یہ فراموش کر بیٹھے ہیں کہ داغ جتنے بھی نقطوں کو ملا کر بنتا ہے اس سے کہیں زیادہ کے ہم سزاوار ہیں اور ہم یہ بھول گئے کہ خالق نے ہم سے حساب لینا ہے۔

رحمت اللعالمین حضرت محمد ﷺ نے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔
''اپنی عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو''
ہم اپنے فرائض سے غافل ہو گئے اور بھول گئے کہ اس خوف کے پسِ پردہ کیا ہے؟
ہم کفیل کہلائے مگر کفالت کے فرض کی ادائیگی احسان سمجھ کر جتانے لگے۔

ادھوری ریز گاری سے نہ تو کسی بہن بیوی بیٹی کا پیٹ بھرتا ہے نہ ہی تن ڈھکتا ہے اور نہ ہی وہ فرائض کو دل و جان سے ادا کرنے کی ہمت رکھتی ہے۔

ہم نے حق کا کوڑا چلانا سیکھا اور اِن عورتوں کو جو کسی نہ کسی رشتے سے منسلک ہیں ٹکٹکی پہ باندھے رکھا۔ ہم میں سے کچھ نے رکھیل بننے سے انکار کیا تو ہمیں سزا دی گئی۔

ان سزاؤں کا جواب ہیں یہ حرف جو ہم سب کی رگوں کے لہو سے کشید کئے گئے۔

میں نے کہیں اِک سطر لکھی تھی کہ میں اپنے نشے میں ڈوبی جاتی ہوں جس کے جواب میں سوال کا انگارہ میری ہتھیلی پہ رکھا گیا۔

کون سی شراب ......کس کے ساتھ؟
کاش ہم آنکھیں رکھتے اور جانتے کہ اس زہر کا تریاق بنانے والیوں پر کیا بیتتی ہے؟
میں سوال نہیں پوچھوں گی مگر میری خاموشی سارے زمانے کے لئے کسی تازیانے سے کم تونہیں؟ کیا کوئی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی جرأت کرسکتا ہے؟
ہے کوئی ؟
میں نے ہوس پرست مرد ضرور دیکھے ہیں مگر ان میں انسان میری پوروں پر رقم ہیں ،جن کی تعظیم میری روح کرتی ہے۔ میں سچ جھیلتی سہتی اور کھاتی ہوں اسی لئے سچ سے نہیں ڈرتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ سرمد میرا بھائی ہے اور وقت کی صلیب میرے کاندھوں کو بھی چھلنی کئے ہوئے ہے۔سر سے پیروں کی ایڑیوں تک لہو میں بنی ہوں اسی لئے پاک ہوں۔ مجھے نجس کہنے والوں کی اپنی زبان پر آبلے پڑے ہیں۔

مجھے فخر ہے کہ میں ربّ کی جائی ہوں۔اس لئے وقت کے لئے پرائی ہوں۔
مالک نے قبیلوں سے شناخت بنائی اور ہم نے اپنی نادانیوں کے باعث آبرو گنوائی۔ میں نے سب کچھ ہارا کہ ہار جیت کے لئے ضروری ہے۔اللہ ہی میرا محبوب ہے اور رہے گا اوراس کی خاطر میں نے اپنا سب کچھ قربان کیا۔اب موت سے نہ بدن کانپتا ہے، نہ دِل ڈرتا ہے۔مجھ ایسی ہرعورت کو میرا سلام!
ہرانسان کی توقیر میرا شیوہ ، نہ مجھے کسی سند کی حاجت نہ کسی داد کی خواہش کہ میں اپنی عمر میں ہی خودکو پہچان گئی ہوں اور جانتی ہوں کہ میں کون ہوں؟
میرے لئے یہی بہت ہے .... تو پھرکسی اور سے تمغہ لینا کم ظرفی ہوگا۔
میں اعلیٰ اقدار کا لباس پہنے کھڑی ہوں۔یہی مان ہے کہ مالک کی نگاہ میں ہوں۔
اُس کی پناہ میں ہوں۔ انسان میرے بدن کے چیتھڑے بکھیر کے فتح کے قہقہے لگاتا پھرے مجھے اس سے کیا؟ وہ مالک میرے ہرمسام کی بےعزتی کا بدلہ آپ ہی لے گا۔ اُس کے غضب اور انتقام سے ڈرو کہ اُس کی لاٹھی بے آواز ضرور ہے مگر ضرب کاری پڑتی ہے۔ نسلوں کی بنیادیں اُکھڑ جاتی ہیں۔میرے حروف کی آگ سے وہ بدن تاپ نہیں سکتے کہ اُن

کی روحوں تک سُلگن پہنچتی ہے۔
وہ مجھے اذیت دے کر سوچتے ہیں کہ بڑا کام کیا....
یہ تو کچھ بھی نہیں کہ میں ہر انتہا کی ابتدا ہوں۔
میں خالق سے جُدا نہیں ہوں نہ وہ مجھ سے علیحدہ ہے....
وہ مجھ پر پڑی ہر کڑی نگاہ کو پاتال تک کھینچ لانا جانتا ہے۔
وہ ہر ظلم کا حساب آپ لے گا.... ہر مجرم کو سزا خود دے گا۔
وقت دکھائے گا.....اور ضرور دکھائے گا کہ اُن کا انجام کیا ہے....؟
میں اُس پہ بھروسہ کئے ہوئے ہوں جو کسی حال میں تنہا نہیں چھوڑتا۔
جو ہر آنسو کا معاوضہ احسن طریقے سے دینا جانتا ہے۔
''سیاں بھئے کوتوال پھر ڈر کاھے کا''

عائشہ اسلم

''کِکھ تے کانے'' 1983 سے ''مِی رقصم'' تک جتنے برس شمار میں آتے ہیں
اتنے لمحوں کے تجربے روح پر نقش ہیں۔
سود و ذیاں میرا مسئلہ نہ تھا نہ ہے۔
سپاسِ شکر روحوں کے نام۔
عزت و مان دینے والوں کے لیے اِک مسکان کا تحفہ۔
بھرم رکھے میرا سائیاں
مالک! کیا کچھ اور ضرورت ہے جینے کے لئے۔

رقص

میں اپنی آنکھیں رہن رکھتی ہوں
قدموں کو ٹھہرنے کا حکم دیتی ہوں
رقص کے نِرت بھاؤ
میں کیا جانوں
تیور یا مدھم سروں کی
مجھے پہچان کیا
گیت ہو یا رقص
آواز کے گھنگھرو چھنکتے ہیں
میرا شعور مجھے زندگی کا قُرب سکھاتا ہے
میرا تجربہ مجھے مجھ سے دُوری کا سبق دیتا ہے
سُریلی آواز یا دُھن پر
آنکھ نم ہو جاتی ہے
ہم توصیفی کلمات بھُول جاتے ہیں
دُعائیں حافظے کی تجوری میں بند رہتی ہیں
ہم خاموش دکھائی دیتے ہیں
جیسے حرف آشنا نہیں
آنکھیں تو اظہار کرتی ہیں

اظہار مانگتی ہیں!

اُجلے جذبوں کے والہانہ انداز کا نام رقص ہے۔ سُر تال کے ملاپ کا نام رقص ہے۔ وہی رقص جو کائنات کی ہر شے کسی نہ کسی انداز میں ہر لمحہ کرتی ہے۔ وہی رقص جس میں رس ہے، سرور ہے۔ جس میں ہزاروں جھاڑ ہیں۔ جس میں بنتی ٹھہرتی تصویریں ہیں، جس میں دھڑکتی بدلتی مورتیں ہیں۔ جس کی انتہا اور محبت کی ابتدا رقص ہے۔ جذب کا کیف اور عشق کی معراج ہے رقص۔ سچ کی سُندرتا جب اندر باہر دھمال ڈالتی ہے اور اس حالتِ مستی میں ڈوبا انسان انا الحق کا نعرہ بلند کرتا ہے تو اظہار و اقرار اور وجدان کا لمحہ بھی رقص ہے۔

جب میں ملکہِ رقص ناھید صدیقی سے ملی تھی تو ان میں نہ ادا تھی نہ جھوٹ، اُجلی نکھری حُسن کی شاہزادی ''پائل'' کی ناھید سے۔ ادھوری ناھید سے پوری ناھید تک کا سفر کیسا تھا؟ انہی درد کے پھوٹتے آبلوں کی تصویر تھی ناھید۔ جنون کی حد تک انہیں اس فن سے عشق تھا اور ہے۔

انہوں نے بتایا کہ ادب، قرینہ اور پھر پاکیزگی، دیانتداری کسی بھی فن کے لئے بنیادی شرائط ہیں۔ تربیت کے بغیر تعمیر ممکن ہی نہیں۔ سب ایک ہی منزل کے مسافر ہیں صرف حصول کا لمحہ مختلف ہے، کیفیت جُدا ہے۔ کسی بھی علم کا جاننا سمجھنا اور اُسے زندگی سے مربوط کر کے دیکھنا ہی حقیقت ہے۔ حُسن اور محنت ہی عبادت ہے۔ محبت کے بغیر محنت ممکن نہیں۔ ریاضت کے بغیر فنکار مکمل نہیں۔

رقص کیا ہے....؟ میں نے سوال کیا تھا اور انہوں نے جواب دیا تھا کہ:۔

رقص....ساون کی پھوار ہے، کسی درخت کی شکل ہے۔ ہواؤں کی نرمی ہے۔ زندگی کا نشیب و فراز ہے۔ موسموں کی بدلتی صورتیں بھی رقص کے انداز ہیں۔ پتوں کی سرگوشی بھی رقص ہے۔ وجدان کا لمحہ بھی رقص ہے۔ انسانوں کا اِک دوجے سے مکالمہ بھی رقص ہے۔ دو ذہنوں کا ملاپ بھی رقص۔

میں نے سوال کیا تھا کہ آپ اپنی ٹینشن کیسے دور کرتی ہیں یا خوشی میں کیا کرتی ہیں تو انہوں نے جواب دیا تھا۔

سارا غصہّ، اُداسی، خوشی اُس کے سپرد کر دیں۔ جیسے سمندر میں تلاطم آتا ہے اُس کے بعد وہ کیسے پر سکون ہو جاتا ہے۔ میرا فن ہی میری طاقت ہے۔ میرا سارا سُکھ اسی میں رکھا

ہے مگر ایسا نہیں کہ میں رشتوں سے پیار نہیں کرتی۔ میں نے وہ نعمت بھی پائی ہے۔ بس زندگی سے محبت کو خالی نہ ہونے دیں جبھی ہر لمحہ رقص میں ہوگا.... ہر لمحہ....!

اُس نے جب بھی کیا، کمال کیا
میرا ہر لمحہ مست حال کیا
مری آنکھوں سے مے کے پیتے ہی
جسم و روح کا اتصال کیا

ایک رقص خود سے باہر ہوتا ہے اور ایک رقص ذات میں مستی کیفیت عطا کرتا ہے۔ عام انسان کے اور مجذوب کے رقص میں وہی فرق ہے جو دو انسانوں کے بیچ ہے۔ ایک عورت اپنے جسم کو مقدس جان کر عبادت گاہ بنا دیتی ہے۔ جبکہ دوسری عورت اپنے بدن کو خیرات سمجھ کر ہر کسی کی جھولی میں ڈالتی ہے۔ گھریلو خاندانی عورت اور بدن کا رزق کھانے والی عورت میں بظاہر زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ دونوں کے انداز و اطوار اک دوجے سے یکسر جدا ہوتے ہیں۔ دونوں کا نصیب چکی میں دانہء گندم کی طرح پسنا لکھا گیا ہے اور ہم اس تحریر پر کچھ کہہ بھی نہیں سکتے کہ کہیں ہمارا شمار گناہگاروں کی فہرست میں نہ کر دیا جائے۔

ہم ساری عمر خوف میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ چہرے پہن کر پھرتے ہیں جو ہمارے باہر کی ضرورت ہیں جن کا ذات سے دُور دُور تک کوئی تعلق نہیں۔ جسطرح ہم دوجوں کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہوئے بیگانوں کی سی زندگی گزارتے ہیں۔

میں نے زندگی کو برتا جانا کہ کتابوں کے حرفوں کی زندگی کچھ اور کہتی ہے۔ نصاب کی زبان کچھ اور بولتی ہے اور گزارنے کو زندگی کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ مستعار لی ہوئی عادتیں ہمارے بدن کے لہو میں گردش کرتی ہیں۔ سائنس نے وقت کو کچھ اور بتایا اور آرٹس نے کوئی اور روپ دکھائے۔ سو زندگی ہر فرد کے ساتھ تبدیل ہوتی معیشت ہے۔

کسی سیال کی مانند کبھی ندی سمندر میں بہتی ہے تو کبھی ٹھہر رہتی ہے۔ جسطرح فنکار ہمیشہ اپنے وقت سے پہلے یا بعد میں جنم لیتا ہے اور ساری عمر اسی گتھی کو سلجھانے میں گزار دیتا ہے کہ آخر اس کی حیات کا مقصد ہے کیا؟ وہ کیوں اور کس کی خاطر زندہ ہے، زندہ ہے یا پھر زندہ رہنے کا ڈھونگ رچائے پھر رہا ہے۔ کچھ لوگ زندگی کے بدن پر خراشوں کی طرح ہوتے

ہیں جن کے نشان ہمیشہ رہ جاتے ہیں اور اگر نشان مٹ بھی جائیں تب بھی اِک تلخ تجربے کی مانند روح ان کے نام کی سسکاری بھرتی ہے۔

مجھے خبر ہے کہ رقص میں پاؤں کے چھالے پھوٹتے ہیں۔ انسان اپنی سُر تال پہ رقص کرتا ہے اور یہی سوچتا ہے کہ کوئی نہیں دیکھ رہا جبکہ سب طرف آنکھوں کا بازار سجا رہتا ہے۔

ہر شے بازار میں بکتی نہیں مگر ہم خریدنے کی کوشش میں نسلیں گنوا دیتے ہیں اور ان کے زیاں پر افسردہ بھی نہیں ہوتے۔ ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ کچھ کھو گیا ہے۔

لفظوں کے ہیر پھیر سے معنی بدل جاتے ہیں تو کیا میں یہ مان لوں کہ رقص اک ایسا قرض ہے جو حاضری حضوری میں ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔ جس کے لئے یکسوئی سے، باہر کے ماحول سے قطعی غافل ہو کر اپنی روح میں جھانکنا پڑتا ہے۔ جیسے نماز میں عجز اور سپردگی ہے۔

رقص اظہار ہے، انبساط اور خوشی کے لطیف لمحوں کا جو قیمتی ہیں۔

میں کوئی ماہر رقاصہ نہیں اور نہ ہی یہ میرا مسئلہ ہے۔

جذب کے رقص کے لئے مہارت نہیں نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

عمل نیت کا محتاج نہیں مگر ہاں نیت کھری ہونا ہی انسانیت کی نشانی ہے۔

میں نے ہر محبت مالکِ کائنات اُس کے محبوب اور اُن سب کے پیاروں سے مستعار لی پھر لوٹانے کو دل ہی نہیں کیا اور میں نے من کی مان لی۔ یوں بھی روح کے مقدمے میں ذہن کام نہیں آتا بس دل کی حکمرانی ہوتی ہے کہ اسی دل میں ربّ رہتا ہے۔ میں نے ہر تھاپ پر رگوں کا لہو نذر کیا۔

''می رقصم'' میں مکالمہ ہے

ذات کے اندر چھپے انسان کا خالقِ کُل کے ساتھ۔

زندگی سے جُڑی حقیقتوں کے پردے چاک ہوتے ہیں اور انسان سوال بن جاتا ہے کہ کہیں کمہار اسے چاک پہ رکھ کے بھول تو نہیں گیا۔

موت میرا موضوع ہمیشہ سے رہی مگر کل کی موت آج سے مختلف ٹھہری۔

کل میرے اندر قبرستان آباد تھا جبکہ آج میرے باہر بھی قبروں کی لوح پڑھی جاسکتی ہے۔

اپنے پیاروں کو سپردِ خاک کرنے والے ہاتھ ہی مٹی کا بوسہ نم آنکھوں سے لیتے ہیں

اور پوچھتے ہیں:

''مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے''

زندہ رشتوں کی موت بہت اذیت ناک ہوتی ہے۔ کفن میں سبھی مُردے اپنے پسماندگان اورلواحقین کو جیتے جی مار ڈالتے ہیں۔ میں ایک بھانجی سُمیہ، بڑے بھائی جان ظہیر اسلم اور والد صاحب محمد اسلم ملک کی موت کے بعد مطمئن تھی کہ اب اور نہیں لیکن پھر میں نے اپنی اکلوتی اولاد کو سفید لباس میں دیکھا۔ میں دہل گئی اور جانا کہ آج تک جو کچھ لکھا تھا وہ میرے ہاتھوں نے کب لکھا تھا ابھی تو مجھے حرف تراشنا ہیں۔ ابھی تو بات کہنے کو خاموشی توڑنا ہے۔

بھلا 17 برس کی جوانی کو بھی موت آ سکتی ہے....؟ کل تک میرے لبوں پر نہیں تھا مگر آج ہاں ہے کیونکہ میں نے اپنی بند یا پھر کُھلی آنکھوں سے اسے دیکھا اور جھیلا ہے۔ مگر ہاں موت تو کسی بھی وقت آ سکتی ہے کیونکہ موت عمر، رنگ، نسل کب دیکھتی ہے۔

مگر پھر بھی سب سُننے اور دیکھنے والوں کے چہروں پر یہی تحریر تھا....

نہیں مالک نہیں!

وہ نہیں بھی سچ اور یہ ہاں بھی سچ کہ میں اُسے چھونا چاہتی تھی۔ ابھی آغوش میں بھرنا چاہتی تھی....میں کھلکھلا کے ہنسنا چاہتی تھی مگر وہ معصوم شاہزادی میرے سارے ہنر ساتھ لے کر رخصت ہوگئی۔ میں نے کچھ آنسو نظم کی طرح کہے، مگر وہ جو رہ گئے، جو دل میں جم گئے۔ جنہیں نہ تو کہنے کی ہمت ہے اور نہ ہی باہر نکالنے کی سکت۔ بس اتنا ہی کہ وہ سراپا نظم تھی۔ سر سے پاؤں تلک رقص تھی۔

ہوا میں تحلیل ہونا چاہتی ہوں
میں تیری تکمیل ہونا چاہتی ہوں!

میں وہ ہوگئی یا وہ میں ہوگئی بات تو ایک ہی ہے۔ اور اب اس بات کو جاننے سمجھنے اور ماننے کا وقت ہے۔ بدن سے روح کی اذیت ہر سانس میں دھمال ڈالتی ہے۔ کل تک وہ رقص میں تھی اور آج میں رقاصہ ٹھہری!

موت سے ہم کنار ہوتی ہوں
جب بھی تیرا خمار ہوتی ہے!

عکسِ مجذوب

کیا اُس حادثے سے پہلے تمہیں کوئی اشارہ ملا تھا؟

ہاں.... بوندوں کا طوفان تھا جو مجھے خوفزدہ کئے جا رہا تھا۔ حادثے سے اُس کی آخری سانسوں تلک یہ کسی آندھی کی مانند میری آنکھوں کو زخمی کرتی رہی تھیں۔ میں پل پل مرتی رہی تھی۔ اور کیا تم جانتی ہو وہ پہلا لمحہ کونسا تھا جس نے روح چھلنی کر دی تھی جب جنرل اسپتال کی ایمبولنس میں میں نے اُس کے پاؤں دیکھے تھے۔ میں ہاتھوں پیروں کی لکیروں سے نا آشنا تھی مجھے تو یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ وہ کچھ دنوں کی مہمان ہے۔ اور میں بے خبر ہی رہی کہ اس نے پاؤں کے انگوٹھے پر وہ سفر باندھ لیا ہے جہاں سے کوئی لوٹ کر ہی نہیں آتا۔

آہ! تمہارے زخم سے اب تک لہو رس رہا ہے جبکہ میں نے تو یہ سُنا تھا کہ وقت سب سے بڑا مرہم ہے؟

نہیں وقت زخموں کو جگا دیتا ہے.... بھولی یادیں دُہرا دیتا ہے۔

تم تو کہتی ہو کہ تمہارا حافظہ کمزور ہو چکا ہے۔ مگر اُن دنوں کی ہر بات تمہیں ازبر ہے؟

ہاں.... جس پر جو بیتتا ہے اُس سے زیادہ کوئی اُس درد کو محسوس نہیں کر سکتا.... سب جھوٹ بولتے ہیں۔ تسلی کے حرف بھی دلاسہ نہیں بنتے.... دوسروں کی آنکھوں سے بہتے آنسو بھی چند دنوں میں خشک ہو جاتے ہیں۔ ماں کا دل ہی نہیں اُس کی روح بھی آنسو بنی رہتی ہے۔ یہ الگ بات کہ اُس کے سامع ابھی تک اس کی موت کا یقین نہیں کرتے.....۔

اور تم؟

میں کہاں ہوں؟ میں تو بس دو جوں کے لئے اک کاندھا ہوں اور ہر کوئی اپنا بوجھ

مجھ پر لاد کر دوسری سمت روانہ ہو جاتا ہے۔

تو کیا تم دلاسہ دیتے دیتے تھکی نہیں؟

میری تھکن تو جنموں کی ہے۔اُس ایک کو بہانہ کیوں کروں۔

وہ تمہاری اکلوتی اولاد تھی؟

ہاں.... وہ لاکھوں نہیں کروڑوں میں ایک تھی۔

تم اُس کی موت پر رودالی نہ بنی تو لوگوں نے بے حسی کے میڈل دئے؟

ہاں..... مجھے اُن پر ہنسی آتی ہے۔

کیسا تھا بچپن؟

بچپن اُس نے دیکھا ہی کہاں تھا.....؟ وہ عمر سے بہت آگے نکل گئی تھی۔علم اور عمل میں تیز .....۔صدمے انسان کی عمر نہیں تجربے اور درد بڑھا دیتے ہیں۔اُس کی ذات کوئی پہچان نہ سکتا تھا۔

کیا تم بھی نہیں؟

میں تو ہر لمحہ شریک رہی.... چاہے دور تھی یا قریب۔

جانتی ہو اسپتال میں جب نرس اُس کے زخم صاف کر رہی تھی تو میں نے اُسے بہت منت سے کہا تھا.... مجھے کرنے دو میں بہت پیار سے کروں گی اُسے تکلیف نہ ہو گی۔تب اُس نے کہا تھا.... ہمارا تو روز کا کام ہے جی.....آپ اس کی کیا لگتی ہیں....؟

میں نے بتایا کہ.... ماں ہوں۔

تب اُس نے نے رحم بھری نظروں سے دیکھ کر کہا تھا.... ہائے !بے چاری۔

مجھے اس کی بات ناگوار گزری تھی مگر میں نے نظر انداز کر دی تھی ہاں یہ ضرور پوچھا تھا کہ کیا اسے کوئی انجیکشن دیا ہے جو یہ اسطرح بےسدھ پڑی ہے۔

تو اُس نے کہا تھا..... پتہ نہیں.....ڈاکٹر بتائے گا۔

ڈاکٹر کہاں ہے....؟

دوسرے کمرے میں ہیں....آ جائیں گے۔

میں ڈاکٹر کی تلاش میں بھاگی اُسے جا کر بتایا کہ میری بیٹی کو جانے کیا ہو گیا ہے۔

آپ آ کر دیکھیے ناں۔

اُس نے مجھے آپریشن تھیٹر سے دور انتظار گاہ میں بیٹھنے کا مشورہ دیا تھا اور کہا تھا....

بی بی.....میں جا کر دیکھتا ہوں۔

انتظار گاہ میں بہت سے لوگ تھے اُن کی آنکھوں میں میرے لئے عجیب طرح کا درد تھا کچھ تو مجھے دیکھنے سے کترا رہے تھے۔تب مجھے اپنا آپ مجرم لگا اور میں وہاں سے پھر آپریشن تھیٹر میں چلی گئی۔

ڈاکٹر سے پوچھا کہ اسے کیا ہوا ہے....؟

Brain Damage ہوا ہے جی....آپ پلیز جایئے....ہمیں اپنا کام کرنے دیجیے۔

کیا آپ آپریشن کریں گے.....؟

نہیں.....ابھی یہ اس کنڈیشن میں نہیں ہے۔

اچانک میری نگاہ اس کی گردن پر پڑی..... جہاں پر پہلے نشان تھے مگر اب نیک کالر لگا تھا.....۔یہ کیوں لگایا ہے میں نے پوچھا تھا.....؟

تا کہ سپورٹ مِل سکے.....آپ جایئے پلیز۔

جاتی ہوں لیکن.....کیا علاج کرنا ہوگا اور یہ کیسے پتہ لگے گا کہ آخر ہوا کیا ہے؟

کیا سٹی اسکین کریں گے.....؟

نہیں.....ابھی ممکن نہیں!

وہ کیوں.....؟

ان کو آکسیجن ملتی رہنی چاہیے۔ابھی ان کو ICU میں شفٹ کریں گے پھر جو ڈاکٹرز کا بورڈ کہے گا۔

لیکن ......کہیں بھی علاج تو ہوسکتا ہو گا ناں۔ہم کروالیں گے ۔ یہ ٹھیک ہو جائے گی انشا اللہ۔ یہ اسطرح نہیں رہ سکتی....اسے خود بُرا لگ رہا ہو گا۔

ڈاکٹر مجھ پہ برس پڑا تھا....ہمیں ہمارا کام کرنے دیں۔

آپ کو میں کام کرنے سے کہاں روک رہی ہوں صرف پوچھ رہی ہوں۔

She is in a serious condition Madam.

میں بڑبڑاتی ہوئی باہر آ گئی.... جہاں ہر کوئی زبردستی مجھے کچھ کھانے پینے کو کہہ رہا تھا۔ آپ یہاں بیٹھیں.....فکر مند نہ ہوں .... بہت سے جملوں کی بھنبھناہٹ میں لفظ گڈ مڈ ہو رہے تھے۔

اتنے میں کسی نے آ کر مجھے اُس کا بیگ دیا....

میں نے بیگ کو عکس سمجھ کر سینے سے لگا لیا.... چوما.... پیار کیا۔

اتنے میں سٹریچر پر وہ لوگ جانے کہاں اُسے دھکیلے جا رہے تھے۔ عجیب پاگل ہیں ایک طرف کہتے ہیں Movment ٹھیک نہیں۔ پھر اتنے جھٹکے کیوں دے رہے ہیں.....؟

میں بھی ساتھ ساتھ بھاگنے لگی.....۔

ICU کی یہ وارڈ انتظار گاہ سے کم اذیت ناک نہ تھی۔ طرح طرح کے لوگ .... شور......اُف یہ سب لوگ اُسے کہاں اچھے لگ رہے ہوں گے۔

پھر جانے کون کون سی مشینیں تھیں ... Ventelator تھا اور نہ جانے کیا کیا....؟

پھر ڈاکٹروں کی آپس میں کھُسر پھُسر کچھ سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔

جانے کون کونسی بیماریاں بول رہے تھے۔

Technical language اسوقت مجھے زہر لگ رہی تھی۔

عام بندہ کہاں سمجھے کہ کیا کہہ رہے ہیں....؟

کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ Ventelator خراب ہے۔

کوئی دوسرا نہیں ہے کیا....؟

جی سب مصروف ہیں۔

اُف کیا سبھی کو ابھی بیمار ہونا تھا....۔

اچانک خبر ملی کہ دوسرے ICU میں شفٹ کرنا ہے۔

میں نے ڈرتے ڈرتے اوپر سے سفید چادر ہٹا کر سب سے چھپ کر دیکھا....لباس جانے کیسا ہو گیا تھا.....تب ماں کے دل پر ضرب پڑی جانے کن کن آنکھوں نے....اور میں نے خود ہی خود کو خاموش کروا دیا۔

دھیرے بول..... کوئی سُن نہ لے۔

اتنے میں پریس کا شور... سبھی اخباروں کا پیٹ بھرنے آئے تھے۔
تصویر بنالیں...؟ خبر میں کیا لکھیں...؟
تب میں چلائی تھی...کوئی تصویر کوئی خبر نہیں۔
وہ بیٹی ہے میری تماشہ نہیں.... بھلا بیٹیوں کی تصویریں یوں چھاپتے ہیں....؟

Shame On You

اب دوسرے ICU میں سٹریچر لے جایا جا رہا تھا....مغرب ہو چکی تھی....کبھی کاریڈور ....کبھی بارش....اور پھر وہ وارڈ جس کے بستر نمبر 2 پر وہ مکیں ہوئی چند روز کے لئے.... 9 مارچ سے 13 مارچ تک۔

تم نے اُس کا نام عکس کیوں رکھا...؟ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ نام کا شخصیت پر کتنا اثر ہوتا ہے؟

کاش میں تب جان لیتی تو شائید آج یوں....!

کیسی تھی وہ؟

وہ نور تھی.... روشنی تھی.... محبت.... جذب.... رس بھری.... رنگوں بھری پُچکاری، وہ گنگناتی تھی تو سبھی سُر سرنیہوڑائے بیٹھے رہتے۔ وہ سوز اور ساز کا حسین سنگم تھی۔ کھلکھلاتی تو کلیوں کی چٹک شرما جاتی۔ اُس کی آواز سامع کو محصور کر دیتی۔ وہ خود ادھوری تھی مگر دوجوں کو پورم پور کر دیتی۔ آغوش میں ہمکتی تھی تو کبھی میری ماں بن کر مجھے سمجھاتی تھی۔ اس کے رگ و پے میں رقص موجزن تھا.... مستی ہی مستی۔ عجب مورت تھی....۔

بعد میں کبھی خواب میں ملی تم کو؟

پہلے پہل بچھڑنا سزا بن گیا مرا
اور پھر جیسے کچھ بھی کہیں پر نہیں ہوا!

ہاں..... یوں جیسے کچھ ہوا نہ ہو..... میں اُسے بانہوں میں بھرنا چاہتی تو بھاگ جاتی۔ عجب لُکن میٹی ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتی۔ بس جب وہ بُلائے گا تو یہ کھیل بھی ختم ہو جائے گا۔

تمہارے لئے کیا ہے زندگی؟

رقصِ بسمل.... موت سے موت کا سفر چھلنی روحوں کا نصیب ہے۔ بدن دریدہ.... برہنہ سر.... ننگے پیروں سے پھوٹتے آبلے صدیاں سفر کرتی ہیں۔ سوال آنکھیں میرے چہرے پہ گڑی رہتی ہیں۔ کچھ کے چہرے ترس کھاتے ہیں.... کچھ درد کی نظم سُنانے لگتے ہیں۔ سب کچھ کڑا سچ ہے۔ وہ تو مقبول و منظور ہوگئی۔ میں ریلوے اسٹیشن کے بینچ پر بیٹھی رہ گئی۔ وہ پل بھر میں غائب ہوگئی.... میں تو پوری آنکھوں سے جاگ رہی تھی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سوگئی۔

وہ ہے بھی اور نہیں بھی۔ پُل صراط کے سفر سے لمحہ لمحہ گذرتی ہوں۔ کچھ کہتے ہیں کہ میں ''وہ'' ہوگئی ہوں۔ بھلے لوگ.... بھلا میں وہ کیسے ہوسکتی ہوں؟ میں تو میں بھی نہیں۔ ہاں میں اس کی ماں ضرور ہوں .... یا.... پھر تھی!

کیا کبھی تم نے اُس کی ماں ہونے پر فخر کیا تھا؟

ہاں.... بہت مرتبہ.... شاید تکبر کا کوئی لمحہ تھا جو عمر بھر کی سزا دے گیا۔ اس کا کفارہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ خدا میرے ہر اُس پل کو معاف کرے جس کی میں سزاوار ہوں۔

لوگ تو تمہارے صبر کی مثال دیتے ہیں اور تم کچھ اور کہہ رہی ہو؟

مثال.... میں اُسے مثال بنانا چاہتی تھی.... یہی خواب تھا میرا....

لوگ تمہیں کُھلی کتاب سمجھتے ہیں۔

یہ جانتے ہوئے کہ کُھلی کتاب میں سبھی کچھ کُھلا نہیں ہوتا جسطرح بین السطور کو پڑھنا ہر قاری کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہاں مگر جسے مالک توفیق دے۔

کیا تم خود کو ناکام ماں تصور کرتی ہو؟

جیت ہار کا کانسپٹ ہر شخص کے نزدیک مختلف ہوتا ہے۔

تم اپنی خواہش سے زندگی گزارنا چاہتی ہو تو لوگ برداشت کیوں نہیں کرتے؟

کیونکہ سب میں دوسروں کی خوشی سہنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔

کیا تم اُس کی کامیابیوں پر خوش ہو؟

بہت زیادہ.... اُس نے برسوں میں صدیوں کو جیا ہے۔ وہ محفوظ مقام پر ہے لیکن ماں کے دل کا کیا کروں؟ جس کی کُرلاٹ خاموشی میں گونجتی ہے۔ روح کے کرب و بلا کی کسے خبر ہے؟ میں نے ہجوم بھی دیکھا اور پھر بنجر تنہائی بھی۔

کیا وہ مجذوب تھی؟

ہاں کافیوں پر والہانہ رقص کرتے بے خود ہو جاتی تھی۔ میں تو عارفانہ کلام سُننے سے بھی ڈرتی ہوں۔ میں تو کچھ بھی نہیں....مجھ سے تو انسان راضی نہیں ہوتے پھر خالق کیسے راضی ہوگا۔ میں نے برسوں زہر بھرے گھونٹ بھرے بلکہ صراحیاں انڈیلی ہیں حلق میں لیکن زبان کی شیرینی کم نہ ہونے دی۔ بے وفائیوں کے نشتر گڑے ہیں مگر اخلاص کے موتی لٹاتی پھرتی ہوں ہزاروں لوگوں نے کہا کہ خود کو بدل ڈالو....مگر کیسے؟ میرے خمیر کو گوندھنے والے نے مجھے جس مٹی سے بنایا بھلا اُس سے غداری کیسے کروں....؟ قادر کے ہاتھوں میں ڈور دینے والے بھلا بونے انسانوں کو سجدہ کیسے کریں؟ اُس کی امانت ہم اُس کو نہیں تو دوجے کو کیسے سونپیں گے؟ خالق سے بہتر کون جو اُس کو پھولوں کی طرح رکھے....مہک ہمیشہ باقی رہے گی بھلے وہ حقیقت کے گلشن میں مہکے یا زمینوں میں یا کہیں دُور آسمانوں میں بسے۔ اِس سے حسین مقام کیا ہوگا؟ اور کہاں ہوگا؟

میں حاضر میرے سائیاں
اوہنوں محل چڑھایا سائیاں!

مایا

تمہیں علم ہے کہ اُس نے خود اپنے لئے اک نام ''مایا'' منتخب کیا تھا۔
ہاں مجھ سے زیادہ اُسے کون جانتا تھا۔کوئی نہیں۔
اس نام کو رکھنے کی وجہ کیا تھی؟
وجہ.....گلزار صاحب کی اجازت فلم تھی جسے اُس نے بارہا دیکھا۔کسے خبر تھی کہ اُس مایا جیسا انت اِس کے لیکھ میں بھی ہوگا۔اسوقت موٹر سائیکل پر اُس کا مفلر گلے کا پھندا بن گیا تھا جبکہ اب اِس کی سیٹ بیلٹ نے اس کے گلے کو چھلنی کیا تھا.....
کیا یہ والی مایا.....مایا جال میں پھنسی تھی؟
کہاں....وہ تو بس چھوٹی چھوٹی چیز پر خوش ہونے والی تھی۔بڑی خواہشیں تو اُس نے کبھی کی ہی نہ تھیں۔
کیا اُس کی خواہشیں تم مجھے بتانا چاہو گی؟
ہاں....کچھ....تمام کا حق میں نے کسی کو نہیں دیا۔
اُس کی اک خواہش ایک دستاویزی فلم بنانا تھی جس کا نام ''نوبت'' تھا۔اُس نے پہلی اور آخری بار نوبت سخی شہباز قلندر کے دربار پہ دیکھی اور سُنی تھی۔وہ اُس سے بے پناہ متاثر ہوئی تھی اور چاہتی تھی کہ لوگ اِس ساز کی تاریخ سمجھیں اور جانیں اور اِسکی اہمیت اور شعور کا اُنہیں اندازہ ہو۔مگر نہ تو وقت نے اُسے مہلت دی تھی اور نہ اُس چینل نے اجازت دی جس کے لئے وہ اُن دنوں کام کر رہی تھی۔کیونکہ یہ اُن کی سمجھ سے بالاتر چیز تھی۔
حضرت شہباز قلندر کے دربار میں حاضری کے وقت اُس نے سوچا تھا کہ وہ ماں

کے لئے چادر لائے گی۔ مجھے یاد ہے فجر کی نماز پڑھ کر میں جائے نماز پر تسبیح پڑھ رہی تھی جب اس نے فون کیا.....روتے ہوئے روندھے گلے سے پکارا۔

ماں انہوں نے تمہارے لئے چادر دی۔

میرے لئے؟ مجھ گناہگار پر اتنا کرم.....!

نہ دھیے میں اس جوگی نہیں۔ میں تو پلیت ہوں اُس چادر کو کہاں چھپاؤں گی....پھر میری اور اس کی چیخیں تھیں۔ مجھے معلوم نہیں کب فون بند ہوا....بس یہ جانتی ہوں کہ میں سجدے میں تھی ....قلندر بادشاہ جانیں کہ مجھ کم ذات پر اتنا کرم کیوں.... مجھے کیا خبر۔ میں تو کبھی وہاں حاضر نہ ہوسکی تھی لیکن شکریہ کے لیے میں نے نیت کی کہ میں اپنی بیٹی کے ساتھ حاضری دوں گی؟

پھر کیا وہ چادر تم تک پہنچی ....؟

ہاں ....میرے لرزتے ہاتھوں نے اُسے چھوا....آنکھوں نے چوما.... پھر میں نے داتا کے حضور پیش کر دی.....

تم نے اپنی چھت تلے کیوں نہ رکھی؟

میں اس لائق نہ تھی ....اور نہ ہی میں اتنا بوجھ سہار سکتی تھی۔سوچا داتا صاحب سے بڑا کون ہے جو اس کی لاج رکھے ....

کیا وہ کچھ اور بھی لائی تھی؟

ہاں کچھ نگینے ....لنگر....محبت .....تب سے اُس کا رنگ ہی کچھ کا کچھ ہو گیا تھا۔ سچ کی عزت موت کے بعد ہوتی ہے۔

یہ تم چراغ کیوں جلاتی ہو؟ کیا کسی درگاہ سے لائی تھی؟

نہیں اُس کا ریڈیو کا آخری پروگرام تھا جسمیں اس نے امرتا کی کہانی پڑھی ''دیا جلتا رہا'' جب تک سانس تب تک اس کا دیا تو جل ہی سکتا ہے۔ وہ تو ''پیا نام کا دیا'' جلا کر اگلے سفر پہ روانہ ہوئی۔

پھر تم کبھی سیہون شریف نہ گئیں؟

ہم دونوں کا وعدہ تھا کہ اگلے برس اکٹھے جائیں گے۔ اگلا برس آیا تو میں وعدے

کے مطابق گئی.... جانے وہاں کی مٹی میں کیا تاثیر ہے کہ اپنا لیتی ہے.... یوں جیسے کوئی اپنے گھر آ گیا ہو۔ میں نے مزار پر حاضری دی....اور عجب بات کہ اُن کی درگاہ میں اندر جب میں نے دُعا مانگ کے دائیں جانب دیکھا تو وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ میں اشکبار تھی.... ان کہی مناجاتوں کے سلسلے تھے....۔

روح کی دھمال تھی.... بنا نوبت کے میرے بدن کا چمڑا بجے جا رہا تھا.... بلند صداؤں میں جانے کیسے میں نے چراغ جلائے۔

ہونٹوں نے کونسی دُعائیں دہرائیں ....مشک سے پانی پیا تو اندر باہر برسات کی جھڑی لگ گئی.... دم مست قلندر کی گونج سے صدیاں وجد میں آ کے سر دھننے لگیں.... دل کی دھتکار رُکتی نہ تھی۔ پیاس بجھتی نہ تھی....سارا عالم رقص میں تھا.....!

دوراہا

وصلِ آدم اور حوا
اک دوراہا
مرگ ہے یا زندگی
اک دوراہا
نیکی ہے یا بدی
اک دوراہا
غم ہے یا خوشی
اک دوراہا
آسمان ہے یا زمین
اک دوراہا
صوت ہے یا خاموشی
اک دوراہا
منزلیں ہیں یا سفر
اک دوراہا
ہست اور نیست
اک دوراہا
خالق ومخلوق

اک دوراہا

ہے ازل سے تا ابد

اک دوراہا

اک دوراہا !

قبرستان ۔ دھواں۔ موت کی خوشبو۔ تاریکی۔ سناٹا۔ سکوت۔ گہری خاموشی۔ ہاں خاموشی۔جس کا راز کوئی نہ جان سکا نہ تم نہ میں نہ وہ نہ ہم اور ہم نے جو راز جانے وہ اتنے گہرے پراسرار تنہا اتنے اُداس اتنے اہم تھے کہ ہم ان کی اہمیت کو کہیں دُور بھول کر چھوڑ آئے ہیں۔

ہم اہم اشیاء کو بھول جاتے ہیں غیر اہم اشیاء ہماری ضرورت بن جاتی ہیں۔ ہم بھولنے اور چھوڑ نے میں دیر نہیں کرتے بہت جلد بہت دور چھوڑ دیتے ہیں۔

ہاں شائید بہت زیادہ دُور .... بہت ہی دُور....

کتنی دُور؟

اتنی دُور جہاں زندگی شروع ہوتی ہے اور اذیت سانس لیتی ہے اور ہاں گرم گرم لہو بہتا ہی چلا جاتا ہے۔رنگ بدلتے چلے جاتے ہیں اور عورت کا رنگ ایک نئی تخلیق نئی تصویر کو جنم دیتا ہے اور خود بے رنگ ہو جاتا ہے شائید زرد رنگ ....نہیں ....سفید رنگ....

سفید رنگ؟ مگر وہ تو کفن کا رنگ ہوتا ہے۔

خون کے رشتوں کا رنگ....

ہاں اور آنسو کا بھی....آہوں کا بھی....درد کا بھی....اور....اور....؟

اور بچے کا بھی!

کونسے بچے کا؟

اس بچے کو جس کو جنم دے کر ماں خود موت کے اسپتال چلی گئی۔

موت کے اسپتال ....کیا موت کا بھی کوئی اسپتال ہے ؟

ہاں ....قبرستان.... پتہ ہے وہاں کبھی کبھی ملاقاتی آتے ہیں۔

ملاقاتی ؟

ہاں.... ملاقاتی.... پھولوں کے گلدستے لے کر ، پھیکی مسکراہٹ لے کر ، گرم آنسو

لے کر، سرد آہیں لے کر اور بھولی بسری یادیں لے کر۔ کچھ تلخ کچھ سُنہری باتیں لے کر۔ کچھ حرف لے کر اور کچھ خاموشی لے کر۔

کچھ لوگ اگربتی سلگاتے ہیں کچھ پھولوں کی پتیاں پھینکتے ہیں۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ کچھ کے لبوں پر آیات کا ورد ہوتا ہے اور کچھ کے حرفوں میں شکایت، کچھ اُداسی سے خود کو دلاسہ دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ تم جہاں ہو خوش ہو ناں.... کچھ سوالوں کے کنکر اچھالتے ہیں.... کچھ خواب سناتے ہیں کچھ خواب میں آنے کی دُعا کرتے ہیں۔ کچھ لمحوں کی کترنوں سے رومال بناتے ہیں اور کچھ خود کو لیرو لیر کر کے چل پڑتے ہیں۔

عجب نظارہ ہوتا ہے.....قابلِ دید.....قابلِ تاصف.....قابلِ رشک!

اور ہاں کبھی کبھی تو ڈاکٹر کا چہرہ بھی نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر؟ کون؟ فرشتہ؟

نہیں....

خُدا.....!

خُدا...؟ لیکن وہ قبر میں کیسے آ سکتا ہے؟

وہ تو ہر جگہ آ سکتا ہے....پھر قبر میں کیسے نہیں آ سکتا...؟

یوں نہیں کہ قبر بہت گہری اور تاریک ہوتی ہے پھر مٹی نہ بھی ہو تو ساری قبر کے دروازے کھڑکیاں اور روزن سبھی کچھ تو بند کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ کیسے آ سکتا ہے؟

ممکن ہے قبر میں موجود جسم....

ہونہہ....نہیں....جسم اور روح نے کوشش کر کے کوئی خفیہ راستہ بنا لیا ہو۔ ہوسکتا ہے ناں!

سُنو ! کیا قبر میں رہنے والے کو ہوا اور پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے پودوں کو ہوتی ہے؟

نہیں....قبر میں رہنے والے تو کسی اور دنیا میں بڑھتے ہیں پھلتے پھولتے ہیں پھر یہاں کا پانی اور ہوا ان کے کس کام کا اور وہ انسان تو ہیں نہیں کہ انہیں اتنی ضرورت ہو جتنی زندہ انسانوں کو ہوتی ہے۔

کن انسانوں کے لئے ہوا اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے؟

جنہیں ہم دیکھتے رہتے ہیں۔ دن رات اپنے ارد گرد گھومتے پھرتے ہوئے ، بولتے ہوئے۔

ہم کہاں دیکھتے ہیں؟

ہاں ہم دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتے۔

بات تو قبر کی ہو رہی تھی یہ انسان کہاں سے درمیان میں آ گئے؟

انسان اسلئے درمیان میں آ گئے کہ قبریں بھی تو انسانوں کی ہی ہوتی ہیں۔

پاگل ....قبریں تو انسانوں کی بھی ہوتی ہیں اور چڑیوں کی بھی اور ....؟

تم نے کیا صرف چڑیوں کی ہی قبریں دیکھی ہیں؟

ہاں دیکھی بھی ہیں اور بنائی بھی ہیں۔ پتہ ہے میں نے ہزاروں مرتبہ یا پھر لاکھوں مرتبہ، معلوم نہیں کتنی مرتبہ قبریں بنائی ہیں۔ بہت سی قبریں۔

کیسے....؟ کیا تم نے اپنے ہاتھوں سے ڈھیروں قبریں بنائی ہیں۔لیکن میں نے تو صرف لفظ گورکن سُن رکھا ہے گورکنی تو سُنا نہیں۔عورتیں تو قبر نہیں بناتیں بلکہ وہ تو تدفین کے وقت بھی وہاں نہیں ہوتیں۔

انہیں اجازت نہیں ہے۔شائید ناپاکی کی وجہ سے یا پھر کسی اور وجہ سے....چھوڑو.....

تم کہو کیا تم نے قبریں بنائیں....کس کی اور کیسی قبریں؟

میں نے ساری قبریں اپنے لئے ہی بنائیں۔

اپنے لئے....ارے....تم تو زندہ ہو۔میرے پاس اس کمرے میں بیٹھی ہو پھر قبر میں کون ہے بلکہ ان تمام قبروں میں کون ہیں؟

وہ سب میرے ہی حصّے تھے بلکہ ہیں۔ وہ سب میں ہوں....''میں''

تم کیوں اصرار کرتی ہو۔

اصرار....کس بات پر؟

ہر بات پر!

مثلاً؟

مثلاً یہ کہ تم ہر قبر میں موجود ہو بلکہ ہر ایک کی قبر میں چاہے وہ انسان ہو یا نہ ہو۔

تم کیوں اس بات کونہیں مانتیں کہ میں ہر قبر میں ہوں ناں۔

میں کیسے مان لوں؟

مت مانومگر یہ سچ ہے کہ میں .....پھرتمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے؟

میں خود جو اپنی بات مانتی ہوں۔ میں خود پہ یقین کئے بیٹھی ہوں میرے لئے یہی بہت ہے!

اور......اگر یہ بہت نہ ہوتو....؟

توتمہیں کیا فرق پڑتا ہے....کسی کوبھی کیا فرق پڑتا ہے!

کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی بات پہ فرق تو ضرور پڑتا ہے۔

کہاں فرق پڑتا ہےاور کس بات پر؟

یہی کہ تم دوسروں کے بارے میں فکر مند ہو کہ نہیں ہو۔تم دوسروں کا خیال رکھتی ہو کہ نہیں؟

سُنو! میں دوسروں کے بارے میں اُس وقت فکر مند ہوتی تھی جب لوگ میرے لئے پریشان ہوتے تھے اور اب میں اپنا خیال رکھتی ہوں اسلئے شاید دوسروں کا خیال رکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

تم اسوقت خود کو جھٹلا رہی ہو۔حقیقت یہ ہے کہ تم دوسروں کی فکر ہی کرتی ہو۔اپنا خیال تو بھولے سے بھی تمہیں نہیں آتا اور رہی بات فرصت کی تو فرصت تلاش کی جاتی ہے۔

تلاش....؟ ہاں اچھا لفظ ہے.....تلاش۔

جانتی ہو میں بھی اپنے والدین کی تلاش میں، بہن بھائیوں کی تلاش میں برسوں سے بھٹک رہی ہوں۔

سچ...مگر کیوں؟ میرے خیال میں تو تم نے کبھی بھی اُن کی تلاش نہیں کی تھی پھر بھٹکنے کا سوال کہاں سے آگیا؟تمہیں تو اپنی تلاش تھی۔اپنی کھوج تھی جسمیں تم نے اُن کو بھی ڈھونڈا۔

کھوج مسافر کھوج

اپنے من کا روگ

مگر میں بظاہر زندہ تھی پھر مجھے خود کو تلاش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ہاں یہی تو تمہاری غلط فہمی ہے۔تم اُن کے حوالے سے اپنی تلاش کر رہی تھیں تمہیں اپنی شناخت چاہیے تھی تمہیں اپنا نام چاہیے تھا اسی لئے تم نے ماں کا چہرہ دیکھنا چاہا۔

ماں.... ماں.... ماں...

ہاں ...آج میں نے اپنی ماں کو دیکھا.... ہے ناں حیرت کی بات....نہیں خوشی کی بات .... یا پھر غم کی بات .... یا پھر.... جانے کونسی بات لیکن آج میں نے ماں کو دیکھا۔

تم کسقدر جھوٹ بولتی ہو۔تمہاری ماں کہاں ہے؟

کبھی تم کہتی ہو کہ تمہاری ماں پیدائش کے فوراً بعد کھو گئی تھی۔کبھی کہتی ہو کہ وہ کسی حادثے میں مر گئی تھی۔ وہ کسی اور مرد کے ساتھ زندگی کرنے کے لئے تمہیں تنہا چھوڑ گئی تھی۔ کبھی کہتی ہو تمہاری ماں تمہیں آیا کی گود میں رکھ کے بھول گئی تھی۔کبھی کہتی ہو کہ تمہاری ماں صرف نوکرانی بنی باورچی خانے میں گھر کے دوسرے کمروں میں کام کرتی پھرتی ہے اور تمہارے کمرے میں جھانکتی تک نہیں کہ یہ اُس کے کام کا حصہ نہیں۔کبھی کہتی ہو کہ تمہاری ماں کو کوئی اغوا کر کے لے گیا ہے۔کبھی کہتی ہو کہ اُس کی لاش کھیتوں سے ملی ہے۔کبھی کہتی ہو کہ تمہاری ماں کے ساتھ جانے کس کس نے کیسے کیسے زیادتی کی ہے۔کبھی کہتی ہو کہ ماں کسی اور مرد کی لونڈی ہے۔کبھی تم خود کو ناجائز اولاد کہتی ہو...کبھی کہتی ہو کہ ماں بھکارن ہے۔کبھی کہتی ہو وہ دوسروں کی گندگی صاف کرتی ہے۔

آخر کون ہے تمہاری ماں .....اور وہ کیا کرتی ہے ....اگر وہ ہے تو بتاؤ کہاں ہے ... اگر نہیں تو کس قبر میں سو رہی ہے ... یا ابھی تک سرد خانے کے ڈبے میں پڑی ہے ...کہاں ہے تمہاری ماں؟

تم میری بات پوری توجہ سے سنتی ہی نہیں ہو اور بحث کئے چلی جاتی ہو۔

سنو! اب غور سے سنو کہ میری ماں بلکہ میری مائیں جب میلوڈی سے جناح سپر مارکیٹ تک کا سفر کر رہی تھیں تب میں درحقیقت ساری زندگی کی مسافت طے کر رہی تھی۔

ایک کا نام بیگم اکمل تھا اور دوسری کا بیگم علوی۔کیا تم جانتی ہو کہ میرے باپ کا نام اکمل علوی ہے۔

میرے باپ کا یہی نام میرے تمام سرٹیفکیٹس میں درج ہے بلکہ تمام ڈگریوں اور تمام اہم کاغذات میں ولدیت کے خانے میں یہی نام لکھا جاتا ہے تب مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ان دونوں کی بیٹی ہوں یا پھران دونوں کے شوہروں کی بیٹی۔ ایک ماں تو دوسرے سٹاپ پر ہی اتر گئی۔ بچھڑ گئی ناں مجھ سے۔

اور دوسری....تم سنتی ہو....وہ دوسری میرے ساتھ ہی بیٹھی رہی۔ اس کالمس میں نے بھی محسوس کیا تھا۔ ماں کی مہک بھی اُس کے بدن سے آ رہی تھی۔ اُس نے مجھ سے بات بھی کی تھی۔ اپنا فون نمبر بھی دیا تھا اور گھر آنے کی تاکید بھی کی تھی۔ اُس نے مجھے بالکل نہیں پہچانا.... ہائے اُس نے مجھے بالکل نہیں پہچانا اور میرا سٹاپ آ گیا۔ میں اُسے بتا نہ سکی کہ میں تمہاری یا تمہارے شوہر کی بیٹی ہوں۔

میں نے ایک بار پھر ماں کو کھو دیا۔ کسقدر دُکھ کی بات ہے میں نے ایک مرتبہ پھر اُس عورت کو کھو دیا جس نے میرے باپ کے ساتھ مل کر میرا خواب دیکھا تھا۔ میرے خدوخال بنائے تھے۔ مجھے اپنا لہو دیا۔

جس نے میرا نام رکھا اور مجھے زندگی کی سزا دی اور وہ خود ہر جگہ میرا راستہ روکے کھڑی رہی..... ہر مرتبہ......اُن جگہوں پر بھی جہاں اُس کی موجودگی قطعی ضروری نہ تھی۔ اُن مقامات پر بھی جہاں اُس کے وجود کا ہونا ایک لازمی امر تھا۔ وہ موجود تھی۔ مگر ایسے کہ میں اُسے چھو نہیں سکتی تھی۔

بس پُکار سکتی تھی۔ میرا تن من پکار بن گیا تھا۔ میرے روئیں روئیں میں ایک ہی کُرلاہٹ تھی۔ ماں..ماں..ماں! آ... میرے پاس آ... کہ میں تجھ سے شدید نفرت اور بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ ہاں میں چیخ چیخ کر اعتراف کرتی ہوں۔ ساری کائنات کے سامنے ایک لڑکی اعلانِ انقلاب کرتی ہے۔ سُنو! انقلاب آ چکا ہے۔ میں معاشرے کے مروجہ قوانین اور رسم و رواج کو تسلیم نہیں کرتی۔ میری ذات کے اس انقلاب میں آتش فشاں پھوٹ رہا ہے جس نے ساری ہستی کی جڑیں اکھیڑ دی ہیں۔

اب میں نئے انداز سے زمین میں اُگتی ہوں۔ نئے معاشرے میں نیا جنم اور اپنی زندگی کا پہلا سانس جو میں نے آپ خود میں لیا۔ جب نئ زندگی میرے بدن میں داخل ہوئی

تب پہلا سانس .... پہلا سکھ میں نے لیا .... پہلا سُکھ !

سُکھ کیا ہے؟

اصل میں یہ تو بہلاوا ہے زندہ رہنے کا۔

کیا تم بہانوں حیلوں سے زندگی گزارتی ہو؟

ہاں تمھیں کیا پتہ زندگی کیا ہے ؟ کتنی مشکل ہے۔ کتنی پریشان۔ کتنی کٹھن۔ کتنی مضطرب۔ کتنی بے چین ۔ کتنی اُداس۔ کتنی تنہا۔ کتنی دُکھی ۔تم کیا جانو ...؟

سنو! بہانے نہ ہوں تو انسان ایک پل بھی زندہ نہ رہے۔

تم کیا سمجھتی ہو کہ انسان زندہ ہے؟

ہاں انسان زندہ ہے اور انسان مُردہ ہے۔ انسان زندہ اور مُردہ ہے۔

تمہاری ہر بات دوراہے پہ آ کر کیوں ٹھہر جاتی ہے؟

کیونکہ میں نے دوراہے سے ہی زندگی حاصل کی۔

دوراہے سے؟

ہاں.... ماں اور باپ کا دوراہا۔ عورت اور مرد کا دوراہا۔ محبت اور نفرت کا دوراہا۔ سچ اور جھوٹ کا دوراہا۔ زندگی اور موت دوراہا۔

زندگی کا ہر لمحہ کیا ہے۔ یہی تو ہے .... دوراہا.... دوراہا!

ہاں دوراہا....جس سے ہزاروں راہیں نکلتی ہیں یا پھر سب بند دروازے دیواریں رستہ روک کے کھڑی ہوتی ہیں۔ کہیں سے بھی نکلنا چاہو کوئی راہ نکلتی ہی نہیں۔ زندگی بدلتی نہیں یا پھر اس حد تک تبدیل ہوتی ہے کہ ہم خود پریشان ہو جاتے ہیں کہ ہم کیا سے کیا ہو گئے ہیں۔ کہاں سے چلے تھے اور کہاں کھو گئے ہیں۔ ہم بھٹکتے بھٹکتے اک دن تھک کے کہیں گر جاتے ہیں۔ ڈھے جانے والے شخص کو کیا خبر کہ وہ کہاں پڑا ہوا ہے بے ہوشی میں کب پتہ چلتا ہے یا چل سکتا ہے کون سے ہاتھ آ کر اٹھاتے ہیں کہاں پٹختے گراتے ہیں پھر اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ انسان بھی تو کسی کھلونے کی مانند ہے جو ٹوٹ جاتا ہے، کھو جاتا ہے یا کسی اور کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے۔ اپنی مرضی کا تو سوال ہی نہیں۔ دوجوں کی خواہش کے مطابق چلتا یا پھر چلایا جاتا ہے۔ جہاں بھی دوئی آئی وہاں اکائی ختم ہو گئی یعنی ہستی ختم ہو گئی۔ جہاں وجود نہیں وہاں

موجود کون ہے؟

دوراہا.... چوراہا میں تبدیل ہو تو اُسے نہ حیرت ہوتی ہے نہ دُکھ اور نہ ہی خوشی کیونکہ خاموشی ہزار معنی لئے ہوتی ہے اور ہزاروں سے لاکھوں کروڑوں اربوں تک پہنچنے کے لئے صرف ایک ہندسہ درکار ہے جسے لوگ صفر کہتے ہیں۔صفر کرتے ہیں اور لگے رہتے ہیں۔ یہی صفر ہے زندگی انسان کی۔ کسی ایک کی یا ہزاروں کی اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور پھر اک لمحے کو تو سارے بدن میں کپکپی دوڑ جاتی ہے کہ.... کیوں فرق نہیں پڑتا ....آخر کیوں کسی کو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا....؟

پھر انسان کا انسان سے کیا ربط ہے؟ کون سا رشتہ ہے.... ہے بھی کہ نہیں؟....ہے تو کیوں ہے اور اگر نہیں تو کیوں نہیں ہے....اس سوال کا جواب پھر کسی دوراہے پر لا کھڑا کرتا ہے.... وہی دوراہا.... دوراہا!

تلاش

تھکن سے چور ہواؤں سے بھی لڑتی رہی
سفر نصیب میں لکھا تھا، سو میں کرتی رہی!

تمہیں پتہ ہے برسوں سے بند گلیوں میں بھٹک رہی ہوں۔

بند گلیوں میں کیوں؟ بھٹکنا ہی ہے تو صحرا میں میدانوں میں بھٹکو۔

ان گلیوں میں بھٹکنا بھی تو اس سے کم تکلیف دہ اور اذیت ناک نہیں ہے۔ اب تو میرے پاؤں کے چھالے پھوٹ بہے اور ایڑیاں پھٹ گئی ہیں۔ لہو کی بوندیں، سب گلیوں میں اپنے نشان چھوڑتی آئی ہیں۔ پتہ ہے میں جہاں بھی جاتی ہوں راستے کھو جاتے ہیں۔ ہر گلی آگے سے بند ہوتی ہے اور مجھے لوٹنا پڑتا ہے۔ واپسی میرا مقدر ہے۔ جس طرح بند گلی میرا نصیب۔

تمہیں بند گلی کا راستہ کس نے دکھایا؟

اُس نے....!

کس نے؟

وہی جس نے ایک مرتبہ میرے دروازے پہ دستک دی تھی اور جب میں نے دروازہ کھولا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں دروازے پہ اُس کے ہاتھ کا لمس تلاش کرتے کرتے تھک گئی تو اُس کی تلاش میں نکلی....اور پھر انہی بند گلیوں میں سفر کرتے کرتے میری آنکھیں اندھی ہو گئیں۔

تم واپس گھر کیوں نہیں چلی جاتیں؟

میرا گھر کہاں ہے؟ میں نے تو بس دوسروں کے مکانوں میں رہتے رہتے عمر گزار

دی۔ اس اُمید پر کہ شاید کبھی کوئی مکان میرا بھی گھر بن جائے .... میرا گھر؟ مگر جانتی ہو سبھی گھر تو دوسروں کے تھے تبھی چھین لئے گئے۔

کیا تم جلاوطنی کی دھوپ تاپتی ہو؟

جلاوطنی ...جلاوطنی تو اُسی کی ہوگی جس کا کوئی وطن ہوگا۔ میرا تو کوئی وطن ہی نہیں۔

کیا تمہارا کوئی دیس نہیں؟

ہاں میں اپنے دیس میں ہی پر دیسی ہوں۔ میرا کوئی گھر نہیں۔ کوئی زمین کا ٹکڑا نہیں۔ اب تو ساری دُنیا کی زمین میرے لئے تنگ پڑ گئی ہے۔ کیا اب میں آسمان کو پُکاروں گی ہاں شاید اب اُسے ہی نیچے آنا پڑے گا ورنہ میں کہاں جاؤں گی؟

تم ایسا کرنا کہ آسمان پر چلی جانا۔

چلی تو جاؤں مگر فرشتے اور وہ شیطان ... پریاں، جن، سورج، چاند، تارے۔ آسمان پر ہجوم بہت ہے۔ وہاں شاید مجھے جگہ نہ ملے۔

پھر تم کہاں جاؤ گی؟

کہاں جاؤں گی یہی تو سوچ رہی ہوں... ہاں ...شائد... میں سمندر کے پاس جاؤں۔

سمندر؟

ہاں سمندر میرا دوست ہے۔ پتہ ہے میں نے اُس سے بہت باتیں کی ہیں وہ میرے بارے میں جانتا بھی ہے۔ ممکن ہے اب وہی میرا استقبال کرے۔

نہیں... یہ مشکل ہے۔

مشکل ...مگر... کیوں؟

وہ تمہاری باتوں سے اُکتا چکا ہے۔ تمہیں چاہیے تھا تم خاموش رہتیں تا کہ کچھ تو بھرم رہتا اور مشکل وقت میں وہ تمہیں پناہ دے سکتا۔

پناہ! پناہ تو اُسے دینا ہی ہوگی اور پھر میں نے تو تمام باتیں خاموشی سے کی ہیں۔

خاموشی سے؟

ہاں خاموشی سے ...اور میری خاموشی وہیں ریت میں چھُپی بیٹھی تھی۔ کبھی کبھی وہ سمندر کی لہر سے کوئی بات بھی کر دیتی۔ کبھی پتھر کے سینے پہ ہاتھ بھی رکھ دیتی۔ کبھی ہوا کو بوسہ بھی

دیتی اور کبھی مُسکرا کر دیکھتی۔
کیا وہ مُسکرانا بھی جانتی ہے؟
ہاں اس کی مسکراہٹ تو بہت دلفریب ہے۔تم دیکھوتو....مگرتم کہاں دیکھو گی؟
وہ بہت کم لوگوں سے مُسکرا کر بات کرتی ہے۔عموماً تو سنجیدہ ہی رہتی ہے۔کبھی کبھی قہقہہ بھی سُننے کو ملتا ہے مگر بہت کم.... بہت ہی کم۔
خاموشی دیکھنے میں کیسی لگتی ہے؟
نہایت خوبصورت، بہت پروقار، سلجھی ہوئی۔
کیا واقعی تم سچ کہہ رہی ہو؟
ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں مگر ایک مسئلہ ہے۔
مسئلہ.... کیسا مسئلہ؟
وہ اکثر اُداس رہتی ہے۔ بہت ذود رنج اور حساس ہے۔لگتا ہے وقت نے اُسے بہت تنگ کیا ہے۔کسی سے کچھ نہیں کہتی۔ شائید وقت نے اُسے بہت دُکھ دیئے ہیں۔اُس نے کبھی ذکر نہیں کیا مگر مجھے محسوس ہوتا ہے۔بس وہ اپنی جان پر جھیلتی ہے۔صبر تو کوئی اس سے سیکھے۔
کس سے ...؟ خاموشی سے۔تم اُس کی اتنی تعریفیں کیوں کرتی ہو؟
وہ میری بہت اچھی اور گہری دوست ہے۔
کیا مجھ سے زیادہ اچھی اور گہری دوست؟
پتہ نہیں یہ تو میں نے کبھی نہیں سوچا۔
کیوں... کیوں نہیں سوچا؟
تم سوال بہت کرتی ہو ہر وقت کُریدنے کی کوشش کرتی رہتی ہو۔آخر تم میرے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہو؟ کیوں ہر وقت سوال کرتی رہتی ہو؟ مجھے سوالوں سے نفرت ہے۔کیا تمہیں یہ بات یاد نہیں رہتی۔آخر تم کیوں بار بار بھول جاتی ہو کہ میں سوالوں کے جواب زیادہ دیر تک نہیں دے سکتی۔اب میں تھک گئی ہوں۔تم مجھے سونے دو۔
تمہیں نیند بھی آتی ہے؟
ہاں کبھی کبھی۔ زیادہ وقت تو نیند کی خواہش میں ہی گزر جاتا ہے۔ جب نیند آتی ہے

تو چاہتی ہوں کہ بس جلدی سے سو جاؤں۔

کیا تم خوابوں کی خواہش میں ہوتی ہو؟

نہیں سُکھ اور سکون کی خواہش میں۔

تم اتنی مضطرب اور بے چین کیوں رہتی ہو؟

بس مضطرب رہنا ہی میری کتاب میں لکھا گیا ہے۔

کتاب....کونسی کتاب؟

وہی جو سب سے بڑے کاتب نے سب سے بڑے لکھنے والے نے لکھی ہے جس کے قلم میں بڑی طاقت ہے۔جس کے قلم میں زندگی اور موت ہے۔موت کا دروازہ جو گہری اور طویل نیند کی سمت کھلتا ہے۔نیند جو بڑی نعمت ہے۔بس اب تم چُپ کر جاؤ اور مجھے سونے دو۔

کیا تم اکیلی سوتی ہو؟

سب اکیلے ہی سوتے ہیں۔ہاں جاگتے ہوئے بہت سے لوگ مل کر جاگتے ہیں۔

کیا سب لوگ؟

نہیں چند لوگ....ورنہ؟

ورنہ کیا؟

کتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں میرے ساتھ رہتے ہوئے۔ ابھی تک تم جان نہیں پائیں۔ کب جانو گی کہ کچھ سوالوں کے جواب نہیں ہوتے بلکہ کچھ سوال بھی ضروری نہیں ہوتے۔

کیوں؟

اس لئے کہ اُن کے جوابات کا علم ہمیں پہلے سے ہوتا ہے پھر سوال کرنے کا فائدہ؟

تم فائدے نقصان کے چکر میں کب سے پڑ گئیں؟

شاید پہلے دن سے، شائد اب سے۔ پتہ نہیں کب سے؟ مگر اسوقت رات کے آخری پہر مجھ سے سوال کیوں کر رہی ہو؟ جانتی ہو کہ یہ وقت آنکھوں میں نیند کی سلائی بھرنے کا ہے۔

کیا نیند کا رنگ سیاہ ہے؟

ہاں نیند کا بھی رنگ سیاہ ہے....گہرا......وسیع.... بامعنی...مکمل۔

تبھی تم نے نیند کی سلائی کہا جیسے نیند کا جل ہو۔

ہاں نیند کا جل کی طرح ہے۔ چھوڑو ان باتوں کو، مجھے سونے دو....تم بھی میری دوست نہیں ہو۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ یہ وقت .... یہ وقت تو....

نہیں میں تمہاری دوست تو ہوں اور وقت تمہارے سونے کا ہو یا جاگنے کا تمہیں میری ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ میں ہی تو ہوں۔ جو تم سے سوالوں کے ذریعے بات چیت کر لیتی ہوں۔

تم کسی اور سے اتنی باتیں کرو تب مانوں۔ ارے لو....تم نے تو آنکھیں بند کر لیں...سو گئی ہو؟

آنکھیں بند کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نیند بھی آ گئی۔ میں سو بھی جاؤں تو جاگتی ہی رہوں گی۔ مگر اب تم سو جاؤ۔ صبح ہونے کو ہے باقی باتیں ہم پھر کریں گے۔

پھر کب؟ کیا صبح صبح؟

ہاں اگر میں دوبارہ زندہ کی گئی تو صبح ضرور آئے گی اور صبح کو آنا بھی چاہیے نہیں تو رات کی ہی حکمرانی رہے گی۔

رات جہاں خود سے ملاتی ہے وہیں خود سے جدائی بھی دیتی ہے۔

سبھی روح کے مسافر ہوتے ہیں لیکن کچھ بدن کے اور کچھ صرف مسافر جو مقصد کے بغیر سفر میں رہتے ہیں۔ دوسروں کی تقلید کرتے ہیں۔ سُنی سنائی پر یقین کرتے ہیں اور دیکھنے، ماننے جاننے کی قوت سے محروم ہی رہتے ہیں۔ ہم سبھی بے بصر ہیں۔ ہماری دعائیں مستجاب نہیں ہوتیں کہ حرف بے اثر ہیں اور لوگ، زہریلے لوگ مُردوں سے زنا کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔ کہنے کو کچھ مسیحا کہلاتے ہیں ناں....مگر....وہ تو خود ذہنی مریض ہوتے ہیں۔

ہم سب ہر لمحہ کسی اسپتال کے وارڈ میں بے چارگی کی گھڑیاں گزار رہے ہیں مگر خبر نہیں رکھتے کہ ہمارے پاس دیکھنے والی آنکھ نہیں جو صاحبِ بینا ہیں اُن کے دلوں کا حال تو پوچھو کہ وہ کیسے جیتے ہیں...؟

دوجوں میں زندگی تقسیم کرتے ہیں اور خود تقسیم ہوتے رہتے ہیں۔

ہم خدا سے شکوہ کرتے ہیں۔ زندگی میں بہت کچھ ملتا تو وقت پر ہے مگر ہمارے اور

خالق کی تقسیم میں فرق ہے۔ تقویم میں فرق ہے ....
کچھ لمحے صدیوں سے بڑے اور کچھ گھڑیوں سے کم ہوتے ہیں اور ہم نہیں جانتے ....
ہم نہیں جانتے ؟

میں وقت کی پہچان ہوں
اور میرا ماتھا جوگی کے تلک سے رنگا ہے
میں موت کی آنکھ مچولی سے تھک سی گئی ہوں
سکھیاں تتلیوں کی تلاش میں گم گئی ہیں
راستے سانپوں کے کیچڑ سے آباد ہیں
سنہرا پنڈا ذرد ہو گیا ہے
میرے خوابوں کو یرقان کا مرض لاحق ہے
وہ استعمال شدہ سرنجوں سے مجھے بینتے ہیں
تو لبوں سے آہ نہیں نکلتی
میرا تکیہ کلام واہ ہے
میں تپتی دھوپ کا ماتم ہوں
میں گھومتی ایڑھی کی تھکن ہوں
میں کانٹوں کا زیور پہنتی ہوں
تو کبھی طعنوں کی بالی پہنتی ہوں
تم مجھ میں کس حُسن کے متلاشی ہو؟

گمان

کیا تم امکان اور گمان کو اہم جانتی ہو؟

ہاں اسلئے کہ گمان ممکن ہوتا ہے اور جو ممکن ہوتا ہے وہی ناممکن بھی ہو سکتا ہے۔

ہر جگہ ہر شے ہو یہ ضروری نہیں۔خواہش، تلاش اور تکمیل کا سفر بہت کٹھن ہے کچھ لوگ برسوں تک حصول کی لذت سے آشنا نہیں ہوتے اور کچھ کو بنا محنت کے ہی سب کچھ مل جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اسی دُنیا میں ہوتا ہے اور یہ ہر عہد کا قصہ ہے۔

قصے اور کہانیاں حقیقت کا قرب بھی تو پاتے ہیں۔

ہاں مگر کچھ محض تصوراتی ہوتے ہیں۔

تصور کو تصویر تک آنے میں کتنی مدت لگتی ہے؟

ایک تخلیق کو وجود میں آنے تک جتنا عرصہ درکار ہوتا ہے مگر تخلیق سے قبل کا مرحلہ وصل کا ہے۔

تم فراق کو فراموش کر رہی ہو۔

نہیں ...نگاہیں چُرا رہی ہوں۔ درد کے کرب کے آبلے پھوٹتے ہیں تو لہو رستا ہے۔

لہو ...لہو... بدن ...روح کے اندر باہر دھمال اور اخباروں کی سرخیاں ہر روز کی جُگالی۔

تم کیا بم دھماکوں کی بات کر رہی ہو؟

میں انسانیت کی بکھری دھجیوں اور اعضاء کی بات کر رہی ہوں جانے کون کس کو کیوں قتل کرتا ہے؟

اتنے حفاظتی اقدامات کے باوجود؟

تو کیا ہم موت سے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ ایسا کارنامہ سائنس کرنے سے قاصر ہے۔

ھونہہ ...سائنس ...ایٹمی دھماکوں کے فخر سے نازاں۔ فلک شگاف نعروں، اشتعال انگیز تقریروں سے انقلاب نہیں آتے۔

تو پھر کیسے آتے ہیں؟

ایک حسین سچی مسکراہٹ ...مگر تم کہاں سمجھو گی؟

ہاں .... میں سمجھ والے دن کی پیدائش نہیں ہوں۔

تمہیں گمان ہے کہ تمہاری پیدائش ہوئی ہے؟

تم میرے گمان کو چھوڑو لوگوں کو یقین ہے۔

ہونہہ ...اور تمہیں گمان ہے ....

چھوڑو تم فضول بحث میں میرا اور اپنا وقت برباد کئے جا رہی ہو جبکہ مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے .... بہت کچھ۔

تم تسلیم کر چکی ہو کہ تم کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ کچھ بھی نہیں ....

مگر میں نے بہت کچھ کرنے کی کوشش تو کی ہے۔

وہ کوشش بے کار ہے جو کامیاب ثابت نہ ہو سکے۔ ناکامیوں کی کھوپڑیوں پر تاج محل نہیں تعمیر ہو سکتا۔

تاج محل .... تاج محل کے لئے جذبہ اور مایا کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہاں ...تمہارے پاس جذبہ بھی ناپید ہے اور مایا کے جال میں تم پھنسی نہیں ہو۔ تم نے حاصل کیا کیا ہے؟

وہ سب کچھ جو کھویا ہے۔ وہی میری دولت ہے۔ میری اپنی جدوجہد ... میرے پُرزے اپنے وجود کے....

تم مان لو کہ تم سب کچھ کھو چکی ہو ... سب کچھ۔ تم محض اک ناکام تصویر ہو جسے فروخت کے لئے رکھا گیا ہے مگر جس کا کوئی خریدار نہیں ہے۔

خریدار تو بہت سے ہیں ہاں ان کے پاس وہ رقم ہی نہیں۔

جانتی ہو ایسی تصویریں کینوس بوسیدہ ہونے کی صورت میں پھٹ جاتی ہیں اور پھر کوڑے کا حصہ بنتی ہیں۔

گندگی کی عظمت تمہیں معلوم نہیں ... یہ سب تم لوگوں کے بدن کی غلاظت ہے جسے صاف نہ کرو تو حُسن نہ ہو۔ تمہیں تو اپنی حیثیت کی خبر ہی نہیں گمان تک نہیں کہ کون ہو ... کیوں ہو ...؟

اگر تمہیں علم ہے تو کتابوں میں تحریر کرو۔

آنے والے وقت کے کام آئے گا۔

تم اہم بھی ہو اور غیر اہم بھی کہ تم خود کو نہیں پہچانتیں۔

پہچان کیا دے گی؟

یقین ... مگر اس کے لئے گمان کے در سے گزرنا پڑے گا اور تم اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتیں۔

تم نے راہنمائی کیوں نہیں کی؟

کیا تم میرے حاسدوں میں سے ہو؟

نہیں ... میں تمہاری دوست ہوں دشمن نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ تم نے محنت نہیں کی ... کوشش اور خواہش کے بغیر کوئی عمل نہیں ممکن۔

تم نے اپنی فکر کو اپنے ذہن میں قید رکھا .... اس کو آزاد کرو ... اسے رہائی دو ... اسے مُکتی دو ...۔

اسے آزاد کرو اگر تم خود آزادی کی خوگر ہو تو ....

اگر تمہارے پنکھ اُڑاری مانگتے ہیں تو انہیں فضا دو۔

انہیں بلندی کی سمت جانے دو .... انہیں نئے سفر پہ جانے دو ... ان کا راستہ نہ روکو ورنہ تم خود اپنے بھنور میں قید ہو جاؤ گی۔

اسے آزاد کرو ... اس گمان کو امکان کی سمت دکھاؤ .... پر نہ کاٹو .. اُڑان دو!

پہلی اُڑان میں پر کُتر ے جائیں تو....
خواہشِ پرواز نہیں مرتی
بدن کی موت تو وقتی ہے
کیا ایک لمحے کی موت ساری زندگی کو ختم کر سکتی ہے؟
اصل شے تو روح ہے
میرے بدن میں کتنی روحیں زندہ ہیں
میں کتنے حافظوں میں محفوظ رہوں گی
کتنی آنکھیں میرے خواب دیکھتی رہیں گی
میں تم ہم سب اِک دوجے میں زندہ رہیں گے!

نیا جنم

تم سگریٹ پیتی ہو؟

ہاں

کیوں؟

اس کیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں بس پینا چاہتی ہوں۔ دیہاتوں میں حُقہ چلم پیتی عورتوں پر تو کوئی اعتراض نہیں کرتا پھر سگریٹ پہ طعنہ زنی کیوں؟

اگر تم کل شراب پینا چاہو گی تو کیا وہ بھی پیو گی؟

پتہ نہیں.... میرا خیال ہے میں نے دوسروں کی حالت دیکھ لی ہے وہی کافی ہے۔

ہم نشے کا سہارا لے کر کچھ بھی الٹا سیدھا کر لیتے ہیں۔ جبکہ ہمارا باطن ظاہر ہو جاتا ہے۔ دراصل ہمارے ذہنوں میں شروع سے ہی کچھ چیزوں سے نفرت کا بیج بویا جاتا ہے۔ شراب بھی انہی میں سے ایک ہے۔ اصل بات تو یہ کہ انسان برائی نہ کرے۔ ویسے ہر معاشرے میں برائی اور اچھائی کے اپنے پیمانے ہیں۔

کیا یہ ضروری ہے کہ آپ نشے کے بغیر بھی نیک ہوں گے؟

نہیں یہ ضروری نہیں مگر یہ فرض کر لیا جاتا ہے اور مجھے فرض کئے جانے والے واقعات اور سوالوں سے شدید نفرت ہے۔ کتنی زہریلی باتیں ہیں جو ہم فرض کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

جو باتیں یقینی ہوتی ہیں انہیں ہم بھول جاتے ہیں۔ ان سے ہم نظریں چُرا کر چلتے ہیں۔

آخر کیوں؟

کیونکہ ہم نے ان سے اُدھار لیا ہوتا ہے۔ زندگی سے سچ کا اُدھار جو ہم کبھی نہیں چُکا پاتے۔

یہ لوگ ادھار کیوں لیتے ہیں؟

اس لئے کہ اُن کے پاس اپنی ضرورت کی چیزیں کم ہوتی ہیں۔

کیا علم اُدھار لیا جا سکتا ہے؟

ہاں ..... کتابوں سے

اور عمل؟

عمل بزرگوں سے اور وقت سے

اور کیا مذہب؟

مذہب ہم ادھار لئے بغیر ہی منافع پر بیچتے رہتے ہیں

وہ کیسے؟

کیا تم نابینا ہو۔ تم نہیں دیکھتیں کہ ہم نے کس طرح کتنے سستے داموں خُدا کی خرید وفروخت شروع کر رکھی ہے اور ہم نے تاریخ جھٹلا دی ہے اور ہم نے شرم بیچ کھائی ہے اور .... اور ہم اب تمام پرانی باتوں اور اچھی قدروں سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ ہم نے اپنی ذات کی نفی شروع کر دی ہے وہ شاید ہم ہمیشہ سے ہی کرتے چلے آئے ہیں اور کرتے ہی رہیں گے۔ ہم چیزوں کے بارے میں پر اعتماد نہیں ہوتے بے یقینی کی کیفیت میں زندگی گزارتے ہیں۔ ہم اپنی ذات میں بھی با اعتماد نہیں رہے۔ ہم نے اپنے ٹکڑے کرنے شروع کر دیئے ہیں اور دوسروں کی جان کے بھی دشمن ہوئے پھرتے ہیں۔

تمہاری کچھ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں مثلاً یہ کہ تم کہتی ہو کہ تمہیں دہرائی جانے والی باتوں سے نفرت ہے اور خود کئی باتیں برسوں سے دُہرا رہی ہو۔

ہاں جب لوگ ایک مرتبہ نہیں سمجھتے تو پھر باتیں دہرانا پڑتی ہیں۔ یہ ضروری ہوتا ہے۔

اگر تم تاریخ نہیں ہو تو خود کو دُہراتی کیوں ہو؟

میں کبھی تو مکمل تاریخ ہوتی ہوں اور کبھی تاریخ کے کسی پھٹے باب کا کوئی ورق.... مجھے دوسرے حصوں سے خود کو ملانے اور جوڑنے کے لئے پکارنا ہی پڑتا ہے۔ کیا تم پُکار سمجھتی ہو؟

نہیں تو

ہاں تم واقعی پُکار کی روح سے واقف نہیں ہو جب اندر باہر پکارنے لگتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟

کیا تم یہ بات تصوف کے حوالے سے کر رہی ہو؟

ہاں تصوف کے حوالے سے بھی، دُکھ اذیت کے حوالے سے بھی، خود شناسی کے حوالے سے بھی۔

ایک بات غور سے سنو! میں جب بھی کوئی بات کہتی ہوں تو اُس ایک بات میں کئی باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ میری ہر بات کے ہزار معنی ہیں۔

ہاں..... جبھی تم دوسروں کی کہی اور ان کہی باتیں بہت آسانی سے سمجھ لیتی ہو۔

ہاں سمجھ لیتی ہوں۔ دراصل یہ شعور ہی انسان کی موت کا باعث بنتا ہے۔

وہ کیسے؟

شعور انسان کو نیک و بد کی پہچان دیتا ہے۔ ایک نئی دنیا دریافت ہوتی ہے تب پرانی دنیا سے رشتے ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انسان آگے بہت آگے نکل جاتا ہے۔ جہاں یہ تنہائی بدن کا حصہ بن جاتی ہے۔ منفرد ہونا علیحدہ ہونا خوبصورت بات ہے پختہ تجربہ ہے۔ زندہ حقیقت ہے صرف دیکھنے کی حد تک۔ تم ابھی نادان ہو۔ اسی لئے منفرد ہونے کے دُکھ سے واقف نہیں ہو۔ کرب سے واقف نہیں۔ جب ہجوم میں رہ کر انسان تنہا رہ جاتا ہے، ہجوم سے کہیں دُور بہت دُور نکل جاتا ہے تب کیا ہوتا ہے جانتی ہو تم......؟

کیا ہوتا ہے ؟

بہت کچھ ہوتا ہے اور ایک سطح پہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کسی بھی بات سے کہیں کوئی فرق نہیں پڑتا اور کہیں بہت زیادہ فرق پڑ جاتا ہے۔ کسی انسان کے لئے دوسرے انسان سے جُدا ہو جانا یہیں زندگی ختم ہو جاتی ہے اور وہ خود ہی زندگی کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور موت اس

کے لئے اپنا در وا کر دیتی ہے۔ کسی شخص کے لئے سب سے جُدا ہو جانا ایک نیا جنم ہوتا ہے۔

یہ نیا جنم کیا ہوتا ہے؟

تم نے فروغ فرخزاد کو نہیں پڑھا ورنہ تولدِ دیگر سے شناسا ہوتیں۔ یہ نیا جنم یا تولدِ دیگر یعنی REBIRTH بہت ضروری ہے۔

تم نے تو شائد ہزاروں لاکھوں بار نیا جنم لیا ہو گا؟

ٹھیک کہا تم نے دراصل یہ دوسری زندگی بہت اہم اور ضروری ہے۔

وہ کیوں؟

یا تو انسان تجربے سے مکمل ٹوٹ جائے یا پھر اُس کی تکمیل ہو جائے۔ اگر مکمل ہو جائے تو خوب اور اگر پوری طرح سے بکھر جائے تب ذات کو سمیٹنا اور نئے سرے سے اپنی تعمیر کرنا اس کے لئے قدرے آسان ہو گا جبکہ آدھے بکھرے آدھے سمٹے وجود کو یکجا کرنا بہت دشوار ہوگا۔ بہت ہی دشوار ....!

تم بہت مشکل باتیں کرتی ہو۔

نہیں یہ آسان ترین باتیں ہیں جو میں تم سے کرتی ہوں تا کہ تم سمجھ سکو۔

کبھی کبھی لگتا ہے جیسے تم مجھ سے نہیں بلکہ خود سے باتیں کر رہی ہو۔

ہاں....کبھی کبھی تو میں واقعی بہت دُور نکل جاتی ہوں بس اپنے اندر کہیں چھُپ جاتی ہوں۔ کھنڈروں کی دُنیا میں سے زندگی تلاشتی ہوں جہاں سے واپس آنے میں، جہاں سے نکلنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ بہت مشکل سے میں اپنی دُنیا سے نکل کر تمہاری دُنیا میں داخل ہوتی ہوں۔

لیکن تم بہت مشکلیں جھیلتی ہو بلکہ دوسروں کی الجھنیں بھی سلجھاتی ہو۔

ہاں جو دوسروں کی مشکلیں حل کرنا جانتا ہے ناں وہ اپنی مشکلیں حل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔

کیا اُس کے لئے کسی اور کو آنا پڑتا ہے؟

ہاں اس کے لئے کسی دوجے کو ہی آنا ہوتا ہے۔

تم ہر ایک کا دُکھ اپنی چھاتی پہ جھیلتی ہو مگر تمہارا غم کون کرے گا؟

میرے غم کون کرے گا.... میرے غم کون سہے گا ؟ پتہ نہیں شاید میرا غم دور کرنے کے لئے بھی کوئی آ جائے۔ ممکن ہے کبھی آئے ہی ناں ۔ میرا غم اٹھانے والا مجھ سے بڑا ہونا چاہیے بہت بڑا جو مجھے اور میرے بچوں کو پناہ دے سکے۔ جو اس دھرتی جتنا ،سمندروں جتنا ، پہاڑوں جتنا حوصلہ رکھتا ہو۔ مگر سوچنا یہ ہے کہ ایسے انسان کہاں بستے ہیں۔ ہوتے بھی ہیں کہ نہیں؟

ہوتے ہیں .... ہوتے ہیں۔ ہاں تمہارے لئے تو کوئی تم سے بڑا خُدا جیسا ہونا چاہیے۔

ہاں .... ہاں ...تم یقیناً ٹھیک کہتی ہو۔ اسے مجھ سے بڑا ہی بننا پڑے گا۔ مجھ سے چھوٹے تو ہزاروں لاکھوں میرے گرد بکھرے ہیں مگر مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ مجھے خود سے چھوٹوں کی نہیں کسی اپنے جیسے کی یا پھر کسی خود سے بڑے خدا کی ضرورت ہے۔ مجھے کسی اور کا انتظار ہے۔ ان میں سے تو کوئی بھی نہیں ہے جسے میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ جسے میں سوچنا چاہتی ہوں۔ جسے میں ماننا چاہتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ کوئی اور ہی ہو گا۔ کہیں اور ہی ہو گا مگر وہ یہاں کہیں نہیں ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے۔

سنو! کبھی کبھی لگتا ہے جیسے یہ تم نہیں ہو کوئی اور ہی ہے۔ بہت بڑی روح جو عام انسانی روح سے ماورا ہے۔

تم ٹھیک کہتی ہو ۔کبھی کبھی تو مجھے بھی اپنے ہونے پہ حیرت ہوتی ہے اک عام انسان یا عورت ....؟

عام عورت تو انسانوں کو اتنا سُکھ نہیں دے سکتی ۔تم کوئی عام عورت نہیں ہو۔

ہاں نہیں ہوں مگر وہ یہ بات نہیں مانیں گے۔تم ان کے سامنے ایسی بات مت کہنا۔

کیوں؟ میں ان سے خوفزدہ نہیں ہوں ۔ضرور کہوں گی کہ تم اک عام عورت نہیں ہو بلکہ بہت ہی اہم خاص عورت ہو۔

اچھا .... (قہقہہ)

ہاں اور تمہارا نام کیا ہے۔اس کے معنی کیا ہے؟

معنی ....نام .... دوسروں کو زندگی دینے والی ....شریک سفر۔

ارے .... یہ تو اسم بامسمیٰ ہے۔ واقعی تم اپنے لئے کہاں زندہ ہو۔ دوسروں کے لئے ہو۔

یہ سُکھ اور دُکھ کی بات ہے کہ میں دوسروں کے لئے زندہ ہوں صرف دوسروں کے لئے۔ میری اپنی زندگی کیا ہوئی ؟

میرے حصے کا لمحہ کب آئے گا ؟ آئے گا بھی کہ نہیں .... کہیں آ کے گزر تو نہیں گیا .... کوئی ایک میرا لمحہ .... میرا لمحہ، میرا لمحہ کہاں ہے .... ہے بھی کہ نہیں ...؟ ان جملوں کی بازگشت ساری کائنات میں پھیل گئی اور ہر طرف سوال۔ سوالیہ نشان گھومنے لگے۔ کسی نے انہیں آوارگی کا الزام نہیں دیا؟ انہیں گھر سے نکل جانے کا حکم نہیں دیا کیا ان سوالوں اور سوالیہ نشانات کے والدین مر گئے جو انہیں عاق کر دیتے۔ کیا انہیں روکنے والا کوئی نہیں ؟ کوئی سرخ بتی ان کا راستہ نہیں روکتی۔ کوئی وردی والا ان کا چالان نہیں کرتا۔ ان کو تحفظ کیوں دیا گیا۔ کیوں؟

ان کے لئے جیل کی اونچی دیواریں کیوں نہیں بنائی گئیں۔ ان کے لئے کچھ کیوں نہیں کیا گیا۔ آخر کیوں سب ان کے خیر خواہ ہیں؟

آخر کیوں ..... کیوں .... کیوں....؟

ہر ماتھے پہ نشان کیا ضروری ہے۔ کچھ چہرے بے داغ ہوتے ہیں بلکہ اکثر پہ کچھ تحریر نہیں ہوتا۔ کچھ پر سیاہ نشان۔ طلاق ... بیوگی ... بانجھ پن... قاتل اور جانے کیسے کیسے عنوان تحریر ہیں۔ کچھ پر حرف سوالیہ نشان.... جس کو دیکھتے ہی دوسرا سوال کرنے پہ مجبور ہو۔ یہ زندگی ایسی کیوں ہے۔

اس کیوں کا جواب کبھی کوئی دے سکا۔ کبھی کوئی دے سکتا ہے بھلا .... کسی بھی لغت میں ایسے حرف ہی نہیں ملتے جو تشفی دے سکیں جن سے دل کو تسکین ملے۔ سُکھ کی کیفیت ملے تو کیا ہم صاحبِ علم کے گریبان پکڑ لیں۔ جاننے والوں کو سنگسار کر دیں یا پھر چُپ کی بُکل میں چھپ جائیں۔ ہر موت کے بعد اک نئی زندگی۔ ہر زندگی کے بعد اک اور زندگی اور یوں زندگی موت کی لُکن مِٹی کبھی ختم نہیں ہوتی انسان ختم ہو جاتا ہے۔

موت کا کھیل روز جاری ہے
یہ تماشہ کبھی نہیں رکتا

یا پھر ہم قسمت کی بات کریں جس کا حاکم سیارہ زحل ہے۔ کس کے پاؤں پکڑ کے گڑگڑائیں۔ کس کس کو حرفوں سے داغیں۔ کس کو آنسوؤں کی بھینٹ کریں ....؟

ایسا انمول رتن ہے کہاں جو سب سمجھے جانے۔ ہر سوال پوچھے بغیر ہی جواب دے۔ یہاں تک کہ سوال ختم ہو جائیں اور خالی صفحہ آ جائے مگر خالی صفحے پر تو کوئی بھی کچھ بھی لکھ سکتا ہے جسے کہنے والے نصیب کہیں گے۔

سوال جواب کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ہر سلسلہ جاری کیوں رہتا ہے۔ آخر ختم کیوں نہیں ہوتا ؟

میں پوچھتی ہوں یہ قیامت کیوں نہیں آتی۔ کیوں ہر آج کل سے جُڑتا ہے اور ہر کل ماضی کا حصہ بن جاتا ہے۔

ماضی حال مستقبل ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔ کس کو سچ جانیں اور کس پہ بھروسہ کریں۔

ہر نسل آئندہ نسلوں کی مجرم قرار پاتی ہے تو پھر کون ہو گا کٹہرے میں ....کون ہو گا باہر....کون ہو گا منصف اور کون فیصلہ کرے گا...؟

کون اور کیوں ؟

کیوں اور کون .....بس یہی دو کردار گھومتے رہیں گے منظر میں اور کیمرہ انہی دو کو عکسبند کرے گا۔ پھر جیسے دونوں ایک ہو جائیں گے۔ مٹ جائیں گے یا پھر سے جیون گھاٹ سے پانی پئیں گے۔

ہم کیا جانیں؟ کیسے جانیں.....؟ جانیں گے یا پھر بےخبر ہی رہیں گے۔

اوفوہ ... پھر سوال ...سوال...سوال... پھر نئی موت پھر نیا جنم ....

پھر نئی موت پھر سے نیا جنم .....!

مجھے نیندوں میں جاگتے سپنوں کی اور جانا ہے
مجھے خود کو وہاں ڈھونڈنا ہے
جہاں تلک نوری سالوں نے اپنے پیر پھیلائے
مجھے اپنے قدم کے سانس گننا ہیں

مجھے خود کو کئی جنموں کے پار تکنا ہے
جہاں بیٹھی کوئی میرؔا
بھجن گاتی ہوئی مستی میں ایسے ناچتی تھی
کہ اکتارہ بھی حیرت سے
اُسے ہی تکتا جاتا تھا
مجھے مذہب کی سرحدوں سے پار چلنا ہے
جہاں عیسیٰ مری ہی کوکھ سے جنما
جہاں نانک کے نورانی سفر کا پہلا پڑاؤ
میرے بدن میں خیمہ زن تھا
جہاں کرشنا بانسری کے راگ
میری رگوں سے چُن کے لاتا تھا
مجھے ان منظروں سے دُور
بے حد دُور جانا ہے
جہاں میرا ٹھکانہ ہے!

گیلی سڑک

تمہیں سڑکیں پسند ہیں؟

ہاں سڑکیں بھی

اور کیا کچھ پسند ہے؟

راستوں کی تو ہر چیز پیاری ہوتی ہے مثلاً راستوں کے راہی، زمین کی مٹی، بکھرے پتے....کچھ زندہ....کچھ مردہ....کچھ سوکھے پتے....کچھ تازہ پتے....درخت....اور....

یہ تم بات کرتے کرتے خاموش کیوں ہوگئیں؟

بس یونہی

یونہی؟

ہاں انہی راستوں پہ میں چلی گئی تھی جو صرف راستے تھے....صرف راستے!

تمہیں کونسا موسم اچھا لگتا ہے؟

سبھی موسم اور کوئی بھی نہیں....

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ گرمیوں کی شام جب موتیے کی مہکار ہر سمت پھیلی ہو تب کتنا اچھا لگتا ہے اور گرمیوں کی تپتی جھلستی دوپہریں۔

لیکن اسوقت تو سبھی لوگ اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہوتے ہیں

ہاں سب لوگ آرام کر رہے ہوتے ہیں مگر چند لوگ نہیں۔تم بھول جاتی ہو کہ میں اُن چند لوگوں میں سے ایک ہوں۔سردیوں کی لمبی راتیں اور اُداس دن جب میں اپنے اندر

باہر سے کانپتی ہوں اور روتی ہوں یا پھر خزاں کا موسم جب سب شاخیں برہنہ ہو جاتی ہیں۔
تمہیں برہنگی اچھی لگتی ہے؟
ہاں بہت اچھی
وجہ؟
شاخ اور عورت دونوں کا حُسن مجھے متاثر کرتا ہے۔
کیسی عورت؟
خوبصورت عورت ... ہر اعتبار سے مکمل عورت۔
اپنے جیسی؟
ہاں شاید اپنے جیسی۔
تم حسن پرست ہو اور حیرت ہے کہ تمہیں بہار کا موسم پسند نہیں۔
نہیں!
کیوں؟
بہار تو بہت کم عرصہ کے لئے آتی ہے۔ مجھے مسکراہٹ پسند ہے وہ سچی ہوتی ہے ناں۔
تمہیں برسات کیسی لگتی ہے؟
برسات میرے اندر باہر ہر وقت ہوتی رہتی ہے اسی لئے میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دلکشی نہیں۔ تم نہیں جانتیں کہ بارش میری وحشت میں اضافہ کرتی ہے۔
جی چاہتا ہے کہ بارش میں بھیگتی رہوں اور پھر.... پھر.... چھوڑو کوئی اور بات کرو۔
کیا تم اتنی کمزور ہو کہ بارش کے ذکر سے پریشان ہو جاتی ہو؟
شاید ایسا ہی ہے۔
تو کیا تمہیں سچ بولنے سے ڈر لگتا ہے؟
نہیں۔ دراصل میں کسی کو بھی دُکھ دینا نہیں چاہتی۔
اور خود کو؟
تم میری بات تو رہنے دو۔
تمہاری بات کیوں رہنے دوں؟

میں اتنی اہم نہیں ہوں۔
تم کیسے اہم نہیں ہو؟
چلو تم یہ سمجھو کہ میں ان باتوں سے بہت آگے نکل آئی ہوں۔ بہت دُور جہاں اپنا دُکھ راستہ نہیں روکتا مگر دوجوں کے دُکھ پاؤں کے گرد دائرہ کھینچ لیتے ہیں اور میں اسی دائرے میں ٹھہرنے پہ مجبور ہو جاتی ہوں۔
یہ مجبوری کیا ہوتی ہے؟
مجبوری بھی بس....زنجیر جیسی ہوتی ہے۔
کونسی زنجیر....زنجیر عدل؟
نہیں...
اچھا میں سمجھ گئی اگر یہ مجبوریاں نہ ہوں تو انسان مکمل طور پر آزاد ہو سکتا ہے ناں۔
پتہ نہیں.... ہاں مجھے کچھ پتہ نہیں مگر تم بحث کیوں کرتی ہو؟
اچھا اب بحث نہیں کرتی مگر یہ تو بتاؤ گی ناں کہ تمہیں کانسا شہر پسند ہے؟
شہر کوئی بھی ہو...گاؤں جیسا یا پھر کسی جنگل جیسا ہو جہاں بہت ہنگامہ نہ ہو۔ جہاں ٹریفک کا شور نہ ہو۔
لیکن تم خود تو اتنے شور میں زندگی گزار رہی ہو۔
مجبوری جو ہوئی۔
مجبوری کیسی؟
زندگی کی مجبوری۔ اور کچھ مجبوریاں تو دکھائی اور بتائی نہیں جا سکتیں مگر وہ موجود رہتی ہیں۔
جنگل کو تم شہر نہیں سمجھتیں؟ وہاں بھی تو درخت پتے بہت سی زندہ چیزیں ہیں۔ زندہ وجود ہیں۔
ہاں دراصل میں خود کو ان چیزوں کے بہت قریب محسوس کرتی ہوں مگر مجھے ان سے خوف نہیں آتا۔ مجھے ان میں اپنا پن ملتا ہے اور سب میری تمام باتوں کو سمجھتے بھی ہیں۔
وہ کون؟

وہ سب....لیکن تم کہاں سمجھو گی ؟
اب تم خود خاموش ہوگئی ہو یا پھر میں چُپ کر گئی ہوں۔
تمہارا کیا خیال ہے کہ سوال ختم ہو گئے ہیں ؟
نہیں میں جانتی ہوں کہ سوال کبھی ختم نہیں ہوتے وہ عُمروں سے زیادہ مُدت تک زندہ رہتے ہیں۔ انسانوں کے بعد بھی سانس لیتے ہیں۔
اچھا تو کیا تمہیں اسلام آباد پسند ہے۔ مگر تم وہاں زیادہ عرصہ تو رہتیں نہیں ... کیوں ؟
میں وہاں نہیں رہتی اور رہتی بھی ہوں مگر میرا ذہن ، میرا دل ، میرا بدن میرے پاؤں ابھی بھی انہی سڑکوں پہ گھومتے رہتے ہیں۔ بہت دُور تک اور بہت دیر تک ... میں نہایت خاموشی سے سفر کرتی ہوں۔ پھر میرے قدم آپ ہی آپ وہاں کے قبرستان کا طواف کرنے لگتے ہیں۔ لگتا ہے وہاں کی ہر قبر میں میں دفن ہوں۔
تو کیا تم آوارہ گرد ہو؟
شائید
تم نے آوارہ گردی کہاں سے سیکھی ؟
میں نے جو کچھ بھی سیکھا خود ہی سے سیکھا ہے۔ میری ذات کے اندر اک مکمل ادارہ موجود ہے جہاں ہر فن سکھایا جاتا ہے سوائے زندگی کے!
کیا تم فنون صرف سیکھتی ہو ...؟ دوسروں کو نہیں سکھاتی ہو؟
جب بھی ضرورت محسوس ہو میں دوسروں کو سکھاتی ہوں۔
کیا تم خود کو بہت اہمیت دیتی ہو؟
ہاں اور دوسروں کو خود سے زیادہ اہمیت دیتی ہوں۔
حیرت کی بات ہے کہ تم ان سڑکوں پر برسوں سے گھوم رہی ہو پھر بھی تمہارا دم گھٹتا ہے۔
بس انہی کی وجہ سے تو میرے دم میں دم ہے ورنہ....
تمہیں کیسی سڑکیں پسند ہیں ؟
گیلی سڑکیں !
گیلی سڑک ہی کیوں ؟

میں بہت مشکل پسند اور اذیت پسند عورت ہوں۔ سیدھے سادھے آسان راستوں پر تو میرے پاؤں ہی نہیں چلتے۔

کیا تم بہت سہمی سہمی رہتی ہو؟

ارے یہ سوال تم نے کیوں کیا؟

اسلئے کہ گیلی سڑکوں پہ پاؤں آہستہ احتیاط سے دھرنا پڑتا ہے۔

ہاں سہم کر بھی چلتی ہوں اور بے خوف وخطر بھی .... یوں بھی سڑکوں پر انسانی چہرے یا بدن نہیں بلکہ آوازیں صرف آوازیں زندہ رہتی ہیں۔ یا پھر ....قدموں کے نشان۔

تم بے خوف وخطر چلتی ہو؟

ہاں نتائج کی پرواہ کئے بغیر

کیسی ہو تم؟

بس ایسی ہی ہوں ....ایسی ہی ....۔

وہ تو خیر تم ہو ہی مگر تمہیں سمجھنا واقعی مشکل ہے۔ میں تمام عمر تمہارے ساتھ رہتی آئی ہوں اور نہیں جانتی کہ تم کیا ہو؟ آخر تمہاری زندگی کیا ہے؟

تمہارے تمام سوالوں کا جواب یہ ہے کہ میں اور میری زندگی ایک گیلی سڑک ہے۔

گیلی سڑک؟

ہاں گیلی سڑک جہاں میں ننگے پاؤں برسوں سے چل رہی ہوں۔ میرا سفر کبھی نہ ختم ہو گا جب تک موسم ہیں ...زندگی ہے ...روح ہے ...موت ہے...تب تک گیلی سڑک بھی ہے چاہے وہ کہیں کی بھی ہو...میرے دل کے موسم لاہور کی یا پھر اسلام آباد کی.... گیلی سڑک...

گیلی سڑک ....سڑک.... ہاں .... گیلی سڑک!

زندگی بھی عجب ہے جی ٹی روڈ سے اچانک موٹر وے کو مڑ جاتی ہے....

سُنا ہے راستہ مختصر ہو جاتا ہے ....؟

ہاں زندگی سے موت بھی قریب ہونے لگتی ہے۔ اور کبھی راستہ چند گھنٹوں کا نہیں ہزار برسوں کا ہو جاتا ہے ....

دل سے روح تک کی اک اک گرہ مضبوط ہوئی جاتی ہے یوں جیسے کفن کی رسیاں

بندھنے لگی ہوں...   پھر سوکھی سڑک ہو یا گیلی اس سے کہاں کوئی فرق پڑتا ہے۔
یہ بات گیلی سڑک کی نہیں لہو رنگ کی ہے!

ہم ہاتھ باندھے صدیوں سے کھڑے ہیں
اب ہاتھ پتھر ہو گئے ہیں
اور بدن سرد
ہم خود سے کوسوں دور بھاگتے ہیں
گیلی سڑکیں ہمارے پاؤں کے نشان اوڑھے
رتجگے کاٹتی ہیں
انہیں نیند نہیں آتی
انھوں نے موت کی روٹی توڑنے سے انکار کیا
اب ہماری زمین پہ اناج نہیں اُگتا
کنویں خشک ہو گئے ہیں
ہم بھوک پیاس میں بلکتے بچوں کی
آسمان سے تصویر اُتاری گئی
قحط میں زمین چٹختی ہے
سفید ہونٹوں سے لہُو رستا ہے
زندگی پر موت کی گرفت مضبوط ہو جاتی ہے!

بسیرا

انسان جہاں بسیرا کرتا ہے وہ مقام بھی اس کا نہیں رہتا ۔ دیواریں بدل جاتی ہیں۔ اجنبیت کی دُھول ہر شے پہ جم جاتی ہے۔ ہم سب سرائے میں جیتے ہیں پھر گھر کیوں مانگتے ہیں؟

Posession کی جنگ ہے اور کچھ نہیں۔ خود کو یقین دلانے کے لئے کہ یہ سب کچھ ہماری ملکیت ہے۔ جبکہ سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے۔ نصیب آخری آرام گاہ۔

ہم گھر صرف اپنے لئے نہیں مانگتے بلکہ خود سے وابستہ لوگوں کے لئے ٹھکانہ مانگتے ہیں۔

تمہیں در بدری کے عذاب کا نہیں پتہ۔ لگتا ہے جیسے زمین جگہ نہیں دے رہی۔ نہ لوگ نہ ہی چیزیں۔ Rejection بڑی ظالم شے ہے۔ انسان سے سہی نہیں جاتی۔ بہت توڑتی ہے ذات کو۔ اگر انسان غیر ضروری ہو جائے تو جیتے جی مر جاتا ہے۔ اُسے اپنی موجودگی کا یقین چاہیے ہوتا ہے۔

مگر کیوں جبکہ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہے پھر...؟

اس ہونے سے بات نہیں بنتی دیکھو جیسے مختلف گھروں پر نام کی تختی ہوتی ہے۔ کاغذوں پر دستخط ہوتے ہیں اور ہر چیز پر نام لکھوانے کا جنوں۔ اسی نام کو سُننے کے لئے وہ کچھ بھی کر گزرتا ہے یہ سوچے بغیر کہ وہ دوسروں کا حق مار رہا ہے۔ دُکھ دے رہا ہے۔

مگر انسان دُکھ پا بھی تو رہا ہوتا ہے۔

جبھی کچھ لوگ خود پر ہونے والے ظلم کا بدلہ، اور زیادہ ظالم ہونے سے لیتے ہیں تا کہ ان کے دل کو تسکین ملے۔

ان کے دل کو یا انا کو؟

ہاں انا بہت اہم ہوتی ہے کچھ کی بہت زیادہ اور کچھ کی بہت ہی کم۔

ایک ہی ماں باپ کی اولاد اک دوجے کی دشمن ہوتی ہے ہر ایک کو حصہ چاہیے ہوتا ہے تو یہ بھی اس یقین کی بدولت کہ وہ موجود ہیں۔

وجود کی اہمیت سے انکار کسے ہے؟

خود ہمیں.... جبھی تو ہم یہ سب کرتے ہیں۔ ہم ہمیشہ دوسروں پر شک کرتے ہیں تو اسلئے کہ ہمیں خود پر بھروسہ نہیں ہوتا۔

وہ کیسے ہوگا؟

اس کے لئے خود پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کی رحمت کو ماننا پڑتا ہے۔ضروری نہیں کہ چیزیں ہمارے خلاف جائیں تو ہی ہمارا بُرا ہو۔ وہ جانتا ہے کہ ہمارے لئے کیا اچھا ہے۔

اگر سب کچھ اُسی کے تابع ہے تو ہمارا عمل کیا معنی رکھتا ہے؟

سزا کس جرم کی.... جزا کس عمل کی؟

تم میں کوئی فلسفیانہ روح بستی ہے۔

جہاں بسیرا ہو وہاں ہر شے کا بسیرا ہوتا ہے۔ خیر وشر دونوں طاقتوں کی انتہا...!

تم میں خیر زیادہ ہے کہ شر...؟

وہی جانے جس نے مجھے جن اجزاء سے بنایا... میں کیا جانوں؟ پھر جان کر بھی مجھے کیا لینا ہے.... کیا کرلوں گی؟

I can`t change myself !

یوں بھی فطرت نہیں بدلتی ۔ جبلت زندہ رہتی ہے انسان ہے ہی خطا اور ربّ ہے ہی عطاء!

ہم اپنی کس شے کو کتنا نکھارتے، سنوارتے یا بگاڑتے ہیں۔ سوچ جس سمت چلی جائے ہم وہی بن جاتے ہیں۔ کبھی انسان، کبھی شیطان، اور کبھی حُسن کی مورت۔

بسیرا اور ٹھکانہ دونوں میں کیا فرق ہے؟

وہی جو بیوی اور داشتہ میں ہوتا ہے۔

تم بہت تلخ ہو ...
سچ ہوں سچ ... یہ سچ کی طاقت ہے ورنہ میں کمزور اور بے بس عورت۔
طاقت تو جھوٹ میں بھی ہوتی ہے۔
ہاں جھوٹ گلیمر ہے ... چکا چوند ہے...فریبِ نظر حسین ہوتا ہے۔
تمہیں میک اپ اور سادگی کا فرق معلوم ہے ناں۔ سادگی دیرپا حُسن ہے۔ مگر سمجھ بہت دیر میں آتی ہے۔ جو شخص جتنا بڑا انسان ہوگا اتنا ہی سادہ ہوگا۔ جو کھوکھلا ہوگا وہ شور زیادہ مچائے گا تاکہ لوگوں پر رعب ڈال سکے۔ اسیر کر سکے۔
میرا یہ مسئلہ ہی نہیں۔
تو پھر تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ بسیرا کرنا۔
ہاں ...دلوں میں ...روحوں میں ...جذبوں میں زندہ رہنا۔

I want to live for ages not for today not for a moment!

بڑے مقصد کے حصول کے لئے بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔

میرے تلووں میں جما لہُو
تم سے کچھ کہتا ہے
میری موت کا اعلان ہوا کرتی ہے
مگر تم سُننے سے محروم رہتے ہو
آؤ! میرے خواب فروخت کر کے
اپنے لئے کوئی گھر لے لو
پھر اُس گھر کے لیے
خود کو فروخت کر کے
کوئی عورت
میں جانتی ہوں
تم عورت فروخت کر کے
بچّے ذبح کر کے تم موت خریدو گے
موت؟

شناخت

یہ شناخت کیا ہے؟

جیسے حرف ہوں یا پھر ہندسے ....

گھروں کے باہر یا پھر دفتروں میں پٹے میں پھنسے ہوئے انسان، اپنے اپنے اداروں کے کارڈوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ہم انسان خاندان، کنبے سے پہچانے جاتے ہیں۔

کیا تم اپنی شناخت پر خوش ہو؟

ہاں...شکر ہے۔

جن کی شناخت نہ ہو وہ کیا کریں؟

شکر....شناخت پا کر بھی کیا ملتا ہے؟

بے نشاں رہ کر بھی کیا ملتا؟

کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تم نے کبھی تلاش گمشدہ کا اشتہار دیکھا ہے۔

ہاں بہت مرتبہ....

کیا محسوس ہوا؟

جیسے وہ کوئی اور نہیں میں خود ہوں۔ہم سب اپنی اپنی تلاش میں ہیں۔

تمہارے لئے کیا اہم ہے؟ نام.... مقام.... پتہ....؟

جب اختیار میں نہیں تو پھر کیا اہم اور کیا غیر اہم...؟

کمپیوٹر میں تو پہلے سے ہی سب کچھ فیڈ ہوا ہوا ہے۔ پروگرام کسی نے بنایا....انسٹال کسی اور نے کیا اور کام کوئی اور کر رہا ہے۔

تو کیا تم اعتراض کر رہی ہو؟

نہیں ....میں اعتراف کر رہی ہوں۔

''آپے لائیاں گنڈیاں تیں
تے آپے کھچدا ہیں ڈور''

کیا تم رشتوں پر یقین رکھتی ہو؟

ہاں ....نہیں .... پتہ نہیں۔ کبھی سمجھ نہیں آتا کہ یہ رشتے چاہتے کیا ہیں؟ کبھی لگتا ہے جیسے یہ سب پرائے ہوں۔ کبھی کوئی اپنا بھی لگتا ہے مگر وقت اُسے بھی جھوٹ ثابت کر دیتا ہے۔

اچھا...مضبوط رشتہ کس کو مانا؟

کاغذ.... قلم..... خاموشی۔

تم کسی بھی انسان کو اسمیں شامل نہیں کرتیں؟

غرض کے رشتوں کو کیا نام دوں؟

نام کی اہمیت تسلیم کرتی ہو؟

ہاں اور اس کے اثرات کو بھی مانتی ہوں۔

کیا تم دوہری شخصیت کی مالک ہو؟

شاید ....میرا نِک نیم کوئی اور ہے اور دُنیا میں میں کسی اور نام سے جانی جاتی ہوں۔ باہر کسی اور نام کی پکار ہے دل کسی اور نام کو چاہتا ہے۔

تم الجھ گئی ہو کیا؟

نہیں...مگر اتنے چہرے اوڑھے نہیں جاتے۔

پھر کیا حل ہے؟

اک نیا نام جسے کوئی جانتا نہ ہو۔

کیا تم جیسی کوئی اور بھی ہے؟

ہو گی .....ضرور ہو گی ....ہونی چاہیے۔
تم نے میِ رقصم کیوں لکھی ؟
کہ میں اسے پڑھنا چاہتی تھی۔
ارے اتنے برس لگا دئے چند صفحوں پر۔
یہ بھی کم ہیں ....صدیاں بھی کم پڑتی ہیں۔
تمہیں لوگ کیوں پسند نہیں آتے ؟

ان میں کچھ پسند آنے والا جو نہیں ہوتا۔ نقاب در نقاب چہرے ....اصل کی ہلکی سی شکن ہوتی ہے کہیں ماتھے پر بس .... باقی چہرہ خالی ....سپاٹ ....جیسے کچھ آوازیں ہوتی ہیں بے تاثر نہ آواز میں سوز ... نہ لوچ .... نہ زندگی میں رمق۔ زندہ مُردے مجھے نہیں بھاتے۔ کہیں تو کچھ اصل ہو ...سُچل۔

کیا تم میں ہے؟
یہ دوسروں کے بتانے کی بات ہے۔
تم سچ پر کچھ نہیں کہتیں ناں؟
نہیں ....میرا جواب دینا اب اہم نہیں رہا۔
تمہیں حرفوں کی شناخت ہے؟ اس کی پہچان کیسے ہو گی ؟

کسی نئے سیارے میں کسی نئے مقام پر جہاں کوئی مجھے جانتا نہ ہو ....میری شناخت میرے کام کی پہچان کسی اور طرح سے ہو گی۔ نیا نام ہو تو شاید کام باعثِ توقیر ہو۔

کیا تم تھک گئی ہو .... یا پھر اپنے کام سے مطمئن نہیں ہو؟

نہیں ....ہم سب والد ...شوہر کے نام سے پہچانے جاتے ہیں تو پھر ہمارا اپنا نام کس کام کا ؟ ہم کس شناخت کا ماتم کرتے ہیں ...اور کیوں ؟ ہمیں نہ کوئی چہرے سے جانتا ہے نہ کام سے۔ ہاں جنس کی بولی لگتی ہے۔ نیلامِ عام ہوتا ہے۔ ہم بازار میں بِکتی ہیں۔ ہر بار بِکتی ہیں کتنے سستے داموں .... بے مول ...

عورت تو روٹی کی مانند بیلی جاتی ہے اور تندور میں تیز آگ پر پکائی جاتی ہے۔
گندم کے دانے کہاں سے آتے ہیں ؟ کس چکی میں پستے ہیں ؟ کون آٹا گھوندھتا

ہے کون پیڑے کرتا ہے کون توے پر ڈالتا ہے اور کس کے حلق کا نوالہ بنتے ہیں۔ سب کچھ سمجھ میں نہ آنے والا ہے۔

کیا ہر شے کا سمجھنا ضروری ہے؟

نہیں ....۔ ناسمجھی سے بڑی نعمت کوئی نہیں ہے۔

کیا سمجھ میں نہ آنے والی چیز ہی اہم ہوتی ہے۔

بس ہم متاثر ہو جاتے ہیں جسطرح جوفن سمجھ میں نہ آئے ہم یقین کر لیتے ہیں کہ یہ اعلیٰ نمونہ ہے۔ چاہے وہ فنکار کی کنفیوژن کی نشانی ہی کیوں نہ ہو۔

تم فن اور فنکار کو سمجھتی ہو؟

معاشرے سے متضاد قوتیں جنہیں سماج پسند نہیں کرتا۔

تم بغاوت کو کیا جانتی ہو؟ ضروری یا فضول شے؟

حق کے لئے ہو تو کیا کہنے .... ہاں غلط راہوں پر چلنا ضروری نہیں کہ درست بھی ہو۔

کیا تم پہچان رکھتی ہو؟

نہیں۔ دعوے دار نہیں ہوں۔

کیا تمہیں خود کی شناخت ہے؟

میں بےنشاں میں پابہ گِل ....سوال یہ نہیں کہ کس نے مجھے جنم دیا یا کس نے میری پرورش کی مسئلہ یہ ہے کہ میرے وجود کی ضرورت کیا تھی؟

Why we are here and what He wants from us!

یہ اگر ہم جان لیں تو جھگڑا ختم ہو۔

کہتے ہیں کہ نہ جاننا زیادہ بہتر ہے؟

بہتر اور بدتر کا تو قصہ ہی نہیں اور ہم فیصلہ کرنے والے کون؟

ہم یونہی لوگوں پر تبصرہ کرتے ہیں۔

Judgement کا اختیار ہمیں کس نے دیا..؟

May be we know not what we know!

بےخبری کی راہیں کیسی ہیں؟

دلچسپ .... برسوں کا پتہ نہیں چلتا اور کبھی لمحے برس ہو جاتے ہیں۔
ہمیں اپنی شناخت کیسے ملے گی؟
کیسے کی تو مجھے خبر نہیں امکان ہے کہ روزِ محشر ملے گی۔
ہم کون ....؟ ہمارا عمل کیا.... امتحانات کا نتیجہ کیا...؟ ہمیں کہاں جانا ہے؟ کیوں کا سوال کرنے کی نہ جرأت ہے نہ اجازت۔
آس اور مایوسی کے راستوں کے علاوہ بھی کوئی راہ ہے؟
ہاں..... یہ پُل صراط جو حیات ہے۔
Uncertainty خدشہ.... وہم ...کب کیا ہو جائے؟ شاید خوف کی کوئی کیفیت!
کبھی کچھ، کبھی کچھ کی گتھی نہیں سلجھتی۔ گھمن گھیری میں رہتی ہے زندگی۔ پھر کیا کیا جائے؟
ہوا کا رُخ .... پانی کا بہاؤ جہاں لے جائے اسی سمت چلتے چلے جائیں ممکن ہے آگے کچھ ہو۔
اگر آگے کچھ نہ ہوا تو؟
تو بھی یہی مقدر .... کوئی چوائس ہی نہیں۔
جب تک سانس تب تک آنس .... تبھی تک آنچ ... کبھی دھیمی کبھی تیز...!

This Is Life!

ممکن ہے اگر زندگی میں وہم نہ ہو، شک نہ ہو تو آسانی ہو! الجھاوے ہی الجھاوے کچھ پانا کچھ کھونا..... کہاں فرق ڈالتا ہے؟ کہیں تو کچھ ہوتا ہو گا ناں....امکان کی کھڑکی کھولے بغیر ہم جی ہی نہیں سکتے۔
زندگی کرنا... بسر کرنا... بِتا دینا....موت سے ہم کلام ہونا...اگلا سفر۔
اک بند دروازہ جس کی کوئی کنجی ہمارے پاس نہیں۔
اس کے بعد کس پر کیا بیتی...کون جیا کون مرا؟ کون جانتا ہے... بھلا کون جان سکتا ہے؟ ہم جانے والوں کے لئے جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ صرف اپنی تسکین کے لئے کرتے ہیں ورنہ ان کو اس سب کی کیا حاجت ...؟ نئے رشتے بنتے ہیں... پرانی فائلیں بند ہو جاتی ہیں جس طرح نقل مکانی کے بعد وہی جگہیں اجنبی ہو جاتی ہیں۔ اپنا گھر بھی اپنا نہیں رہتا۔ سب

کچھ جیسے بدل جاتا ہے۔ جانے والے کی چیزیں تقسیم کر دی جاتی ہیں۔سارے گھر میں اک تبدیلی آجاتی ہے ...زندگی چلتی رہتی ہے۔

اپنوں کے بغیر بھی نرم انداز سے ...جیسے کچھ ہوا ہی نہیں... جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں

شاید! سب خواب ....!

گود

جانے کس کس گود کی پالی میں .... ہریالی میں!
کیسے کیسے انسانوں کی محبت میرا لیکھ جبکہ کوئی گُن نہیں تھا۔
بس عطا ہی عطا.... جبکہ میں خطا ہی خطا....
مجھے علم ہے کہ بچپن سے آج تلک ہر فیض مجھے نصیب ہوا۔
گو میں اس سب کے لائق نہ تھی .....
یہ تو اعزاز ہے۔
ہاں.... باعثِ صد افتخار
پھر اُداسی کیسی؟
وہ سب یاد آتے ہیں جواب خاک کا زیور ہوئے.... یا زندگی میں ہی جیتے جی مر گئے۔
عجیب بات ہے۔
ہاں جو نازوں پالی ہوتی ہیں انہیں کو سب سے زیادہ ہمت حوصلے کی مثال بننا پڑتا ہے۔
سب سے زیادہ کن کے لئے دُکھی ہوتی ہو؟
اپنے اپنے مقام پر سب کے لئے.... وقت کے ساتھ ساتھ کھونے کا دُکھ دُونا ہو جاتا ہے۔
وہ سب رشتے اگر آج زندہ ہوتے تو....؟
تو تمہیں دیکھ کر پریشان ہوتے!
شاید....ان کے دل دُکھ سے بوجھل زیادہ ہوتے۔
اگر وہ سب ہوتے تو شاید تمہاری زندگی ایسی نہ ہوتی۔

شاید....!

لیکن وہ سب آج بھی میرے راھنما ہیں.....

میں اُنہیں کے دکھائے رستوں پر چلتی آ رہی ہوں.....

کیا وہ سب بھی آبلہ پا تھے؟

ہاں....کٹھنائیوں کے مسافر۔ اب مجھے اُن کے درد کا احساس زیادہ ہوتا ہے اور گیان کا بھی۔ کسقدر علم تھا اُن کے پاس اور اُس سے زیادہ ظرف.....۔ میں تو اُن کے پیروں کی دُھول کا اک ذرہ تک نہیں ہوں۔ سب سے بڑھ کر درگزر اور معافی کا جذبہ اور عمل.....۔

آج کا انسان تو کچھ بھی نہیں.... ترقی بھی کر لی.... ٹیکنالوجی بھی حاصل کر لی اور علم بھی لیکن عمل کچھ نہیں۔ بس آگے بڑھنے کی دوڑ میں دیوانہ.....۔

تو کیا آج کا انسان دُنیا سے مقابلہ نہ کرے؟

ضرور کرے وہ تو کرنا ہی پڑے گا لیکن کس قیمت پر....؟ رشتوں کو روند کر....کتنا سفر طے کر لے گا....آخر تنہا رہ جائے گا۔

مادیّت پسند نہیں ہو تم؟

اسقدر نہیں کہ سب کُچھ بھول جاؤں۔ میں جانتی ہوں کہ میرے وجود کا مقصد کیا ہے....؟ مجھے کیوں پیدا کیا گیا....؟

کیا تم اپنے فرائض نبھا رہی ہو؟

ہاں....اولین فرائض.... رشتوں کی اس ڈوری کو میں نہیں باندھتی جو مجھے مقصد سے غافل کرنے کا باعث بنے....جب اپنے اعمال کا حساب اکیلے ہی دینا ہے تو پھر....؟

رشتوں کے بغیر بھی تو کوئی زندگی نہیں۔

ہاں.... وہ زندگی ہرگز نہیں جو لوگ گزارتے ہیں لیکن وہ ضرور ہے جو مجھے معلوم ہے کہ مجھ ہی کو بیتانی ہے....اور اپنا کام انجام دے کر ہی اگلے سفر پر روانہ ہونا ہے.... گو انسان کی پیدائش دو انسانوں کے وجود سے عمل میں آئی ہے لیکن اس کی موت کے بعد حساب کتاب اسی سے وصول کیا جائے گا کہ اُس نے اپنی زندگی کیسے گزاری....؟

کیا جو کام اس کے ذمے تھا وہ اُس نے ادا کیا یا نہیں؟

حقوق العباد کے زمرے میں تو تمام رشتے آتے ہیں؟
مجھے علم ہے....اگر مجھ سے پوچھا جائے گا تو مجھ سے وابستہ رشتوں سے بھی دریافت کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے اپنے فرائض انجام دیئے کہ نہیں!
ہونہہ! تم اپنے حقوق کے حصول کی خواہاں ہو؟
نہیں....آنے والی نسلوں کے آگے جوابدہ ہوں۔
مجھے یقین ہے کہ میں ان کے سامنے سرخرو ہوں۔
اور اگر ایسا نہ ہوا تو؟
تو سزا کے لیکھ کی سیاہی میں نہیں مٹا سکتی۔
لیکن میرا بھروسہ ہے کہ مالک رحمٰن ہے....رحیم ہے۔ بعد کی زندگی کا اجر زیادہ ہے.... انسان یقین توڑ سکتا ہے لیکن خالق نہیں....وہ مان رکھتا ہے۔
خدائے بزرگ و برتر کا فرمان ہے کہ ہم جیسا گمان رکھیں گے ویسا ہی ہمارے ساتھ ہوگا.... وہ غفار ہے....وہ ستار ہے اور نہایت مہربان ہے۔

سیاہی

تم لیکھ کی سیاہی اور قلم کی سیاہی کے فرق کو بیان کر سکتی ہو؟

ہاں.... دونوں کا حاکم وہی ہے۔

مالک وہی ہے.... وہ چاہے تو لیکھوں کی سیاہی روشنائی بن جائے۔

''وہ'' چاہے تو ان ہاتھوں کی تحریر کو امر کر دے۔

خفی حروف جلی ہو جائیں....عبارت تبدیل ہو جائے۔

آج تو قلم میں وہ سیاہی نہیں....جس پر پانی کا قطرہ یا آنسو ٹپکے تو حرف مٹ جائے۔ آج کے قلم میں شاید اسی لئے وہ تاثیر نہیں جو کبھی تھی۔آج تو کوئی بھی لکھاری کبھی بھی بن سکتا ہے....دو جوں کی تحریر پہ اپنا نام لکھوا سکتا ہے کہ آج ہر شے فروخت ہوتی ہے۔حد تو یہ ہے کہ قلم بھی....لیکن روزِ محشر ہر شے کا حساب دینا ہوگا۔

ہاں لوگ بھول جاتے ہیں کہ خالق نے قلم کی قسم کھائی ہے۔اُس کی حُرمت کی لاج رکھنا ہوگی....ورنہ....

مجھے تمہارے حرفوں سے خوف آنے لگا ہے۔

ہاں سچ کڑا ہوتا ہے۔

تم نے جو کچھ لکھا وہ سب تم پر کبھی نہ کبھی بیتا....کیوں؟

ہڈ ورتی ہوئے بغیر تحریر میں تاثیر نہیں ہوتی۔تجربوں کو بدن اور روح کا حصہ بننا ہوتا ہے....کیونکہ لفظ کو سچا ہونا ہوتا ہے۔

Written words are precious!

مجھے مالک نے اس کے لئے منتخب کیا یہ کتنا بڑا تمغہ ہے جو اس نے مجھے پہنایا....
اس کے بعد کسی اور ایوارڈ کی مجھے کیا ضرورت؟

اُس نے مجھے حرف سکھائے اور آواز دی.... کسقدر اہم راز دئے.... جن سے میری پہچان بنی....۔

کبھی تمہاری آواز میں کھنک تھی.... ہنسی میں شوخی تھی.... سامع دیوانے تھے۔

ہاں.... سوز اور ساز دونوں میرا بخت۔

کوئی آواز دوا ہوتی ہے
ہاں مریضوں کو شفا ہوتی ہے

بات تو سیاہی کی ہو رہی تھی۔

ہاں حرف سے آواز تک کا سفر اک جادوئی عمل ہے.... اک ایسا چھومنتر کہ قاری سے سامع تک اسیر ہو جائیں۔ اگر سیاہی نہ ہو تو سفیدی کا موازنہ کیسے ہو....؟ خیر اور شر دونوں قوتوں کو تسلیم کئے بغیر بات نہیں بنتی۔

تمہاری اس جادونگری میں تو بہت فریب ہے۔

ہاں ہے.... لیکن زندگی اسی کا نام ہے۔ ہر ساز کی اپنی جگہ ہر مغنّی کی اپنی آواز اور اسمیں ہی سارے رنگوں کا کھیل....۔ جاری رہتا ہے۔

کھرے کھوٹے کی پہچان وقت آنے پر خود ہی ہو جاتی ہے۔

وہی رہتے ہیں جو اصل ہوتے ہیں....۔

کیا کردار کی اہمیت ہے؟

ہاں.... وہی نام زندہ رہتے ہیں جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔

لیکن شہرت کے دوام کے لئے لوگ جانے کیسے رشتے تلاش کرتے ہیں؟

نیک نامی نہیں مٹتی.... روشن رہتی ہے....۔

شارٹ کٹ تلاشنے والے اکثر وقت کے ساتھ کھو جاتے ہیں۔

لیکن کبھی لوگ دھوکہ بھی تو کھا جاتے ہیں؟

ہاں.... دھوکہ تو دلفریب ہوتا ہے لیکن تا دیر نہیں رہتا۔

ہمیشگی تو سچے کام اور اچھے انسان کا نصیب ہوتی ہے....چاہو تو آزما لو....۔
سانچ کو آنچ نہیں.... مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے راستے پر ہی قائم رہوں گی....یہی زمیں سے فلک تک لے جائے گا....۔

کہیں یہ تکبر تو نہیں؟

نہیں.... یہ محنت، ریاضت اور عبادت کا ایقان ہے....!

سانس تک آنس باقی رہتی ہے
دل کی ہر اک مُراد کہتی ہے

لہو رشتے

سبھی رشتوں پہ کائی جم گئی ہے
محبت کا کنول کھلتا نہیں ہے

تم نے دل کے، لہو کے اور روح کے رشتوں کو کیسا پایا؟
دل کے رشتے بھی لمحاتی ....لہو کے لہو پیتے اور نچوڑ لیتے ہیں۔
جبکہ روح کے رشتے آپ کو توانائی بخشتے ہیں۔ ان میں سودے بازی نہیں ہوتی۔
دل کے رشتے لمحاتی کیسے ہوئے؟
جذبات کی رو میں بہہ جانے والے لمحے ہی ہوتے ہیں....عمر بھر ساتھ نہیں رہتے۔
لیکن لوگ تو دل کی سُنتے اور مانتے ہیں اور تم بھی یہی کہتی تھیں۔
ہاں.... میں محبت کے جذبے کی سچائی کی بات کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔
یہ وہی عمل کرتا ہے جو کسی بھی پودے کے لئے بارش کرتی ہے....رحمت ہی رحمت....
اور جب سیلاب آجائے تب.....؟
تب تو ہستی کو فنا ہونا ہی ہے۔
لہو کے رشتے تو سچے ہوتے ہیں؟
ہاں کشش رکھتے ہیں مگر یہی آپ کو اذیت سے دوچار بھی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ ان سے وابستہ ہماری توقعات ہوتی ہیں۔
ہاں....لیکن ہم ہر رشتے پر پورے نہیں اتر سکتے۔
تم نے سب سے سچے رشتے کونسے پائے....؟

درد کے رشتے، روح کے رشتے پائیدار ہوتے ہیں۔سدا بہار۔
لیکن پہچان کیسے کرتی ہو؟
یہ رگوں میں رقص کرتے ہیں جس کی دھمک بے حال کر دیتی ہے۔ مالا مال کر دیتی ہے۔ نہال کر دیتی ہے اور انسان بے اختیار ہو اٹھتا ہے۔
انسان جل تھل ہو جاتا ہے....مٹی کی سوندھی مہک کی طرح یہ رچ بس جاتی ہے۔
ہونہہ تو یہ خوشبو ہے؟
ہاں فطری خوشبو....سچل جذبوں سے کشید کی ہوئی خوشبو! اسمیں کچھ بھی آرٹیفشل نہیں ہوتا۔ یہ دیر تک جاگتی ہے۔اسمیں کسی نقلی شے کی آمیزش نہیں ہوتی۔
پھر تو یہ پریم رس جیسی ہوئی.... دوجے اس سے حسد نہیں کرتے؟
کیوں نہیں کرتے.... ضرور کرتے ہیں۔
تو پھر لوگ ٹونا بھی کرتے ہونگے تا کہ....؟
کوئی بھی ٹونا اس کا توڑ نہیں کر سکتا.... یہ ہر انسان کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے۔
اُسے نئی زندگی دیتی ہے۔Life Force Energy
Reiki کی طرح....Love , Light and Hope
کیا واقعی ؟
ہاں.... Positive اور اگر میں اب تک ہوں تو اسی قوت کی بدولت۔ ورنہ تو زندگی کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔
تو کیا تم لہو کے رشتوں کی اہمیت سے انکاری ہو....!
نہیں....صرف یہ تسلیم کر چکی ہوں کہ اب لہو میں سرخی کم اور سفیدی زیادہ آ چکی ہے۔ مٹیریل اہم ہے۔
یہ تو غلط بات ہوگی ناں....لہو رشتے تو ایک سے ہونا چاہئیں۔
کیا ہونا چاہیے اور کیا ہے.... کیا تم اس حقیقت سے واقف ہو۔ زمانہ بدل گیا ہے....اقدار، معیار سب کچھ....
اب کاغذ قلم سے زیادہ سیل اور کمپیوٹر نے جگہ لے لی ہے...بس ایک کلک کے

فاصلے پر ہیں سارے رشتے۔ خونی رشتے ہم خود نہیں چنتے، ہمیں ملتے ہیں۔

تو پھر خاندان.... نام نسب.... برادری سسٹم یہ سب؟

یہ تو مختلف Tags ہیں ہماری پہچان کے لئے....۔

لیکن ہمارا اصل ایک وہ چہرہ بھی ہے جسے ہم نے خود تصویر کیا ہے۔

Real life potrait.... ہمارے تمام اوصاف کے ساتھ۔

تو کیا وہ سب ہم پریٹینڈ کرتے ہیں؟

ہاں یہ وہ کردار ہے جو ہمیں نبھانا پڑتا ہے۔

اسمیں ہماری اپنی مرضی شامل نہیں ہوتی؟

جیسے ہم ہر شخص کے سامنے مختلف چہرہ پہن کر آتے ہیں۔ موقع کی مناسبت سے جیسے ہم لباس بدلتے ہیں ایسے ہی ہم ان چہروں کے نقاب کو اوڑھتے ہیں۔

جیسے بچپن میں سکھایا جاتا ہے کہ Behave کرنا ہے مہمانوں کے سامنے۔

اُن کی پسند کے مطابق نظم سنانا ہے۔

تم عجیب مثالیں دیتی ہو؟

نہیں....زندگی سے جڑی سچی تشبیہات....۔

جن سے تمہاری روح میل کھاتی ہے وہ کیسے لوگ ہیں؟

وہ مجھ جیسے ہی ہیں.... Odd One Out.... جنہیں معاشرہ نہ تو قبول کرتا ہے اور نہ ہی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے....۔

میں اپنے جیسوں میں ہی خوش ہوتی ہوں کیونکہ وہ مجھے بہتر انداز سے جانتے سمجھتے ہیں۔ جن میں ہم زندگی گزارتے ہیں وہ ہمیں ٹھیک سے جاننے سمجھنے کی زحمت نہیں کرتے۔ ہماری کوئی خوبی انہیں خوبی دکھائی نہیں دیتی۔

کیا یہ مثبت سوچ ہے؟

نہیں ان کا منفی ردِعمل جسے ہمیں جھیلنا پڑتا ہے۔ یوں بھی کچھ لوگ اپنے وقت اور ماحول کے مطابق نہیں ہوتے اسلئے لوگ انہیں ٹھیک نہیں جانتے....۔

تو غلطی اُن لوگوں اور رشتوں کی ہے.... ہے ناں؟

ہاں لیکن انہیں اس کا احساس ہمیشہ وقت گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔ جسطرح ہم موت کے بعد سب کو عظیم ماننے لگتے ہیں اور زندگی میں انہی لوگوں کو ہر پل مارتے رہتے ہیں۔

تو یہ معاشرے کی خرابی ہے کہ وہ فن سے محبت نہیں رکھتا۔

ہاں.... اُن کے لئے فن کی اہمیت صرف اتنی ہے کہ فنکاروں کے ساتھ اہم موقعوں پر تصویر کھنچوالی جائے اور بس....!

اور جن گھروں میں وہ فنکار جنم لیتے ہیں۔ وہاں اُن کی پذیرائی نہیں ہوتی....انہیں تسلیم نہیں کیا جاتا۔

کیا ہر فنکار کا معیار ایوارڈ ہے؟

نہیں.... کچھ ان ایوارڈز کے لئے کام نہیں کرتے۔ لیکن دیانتداری سے اپنے کام کو کئے جاتے ہیں۔

مالک دا کم پھل پھُل لانا

لاوے یا نہ لاوے

کیا عورت اور مرد دونوں کو اس اذیت سے گزرنا پڑتا ہے؟

ہاں.... لیکن عورت کے حصے میں یہ دولت زیادہ آتی ہے۔ خصوصاً ترقی پذیر معاشروں میں ان کو بھُگتنا زیادہ پڑتا ہے۔

تو کیا ترقی یافتہ معاشروں میں اُن کو مقام اور رُتبہ مل جاتا ہے؟

ہاں کسی حد تک....!

کیا تم معاشرے سے ناراض ہو؟

نہیں .... معاشرہ مجھ سے ناراض ہے....اور مجھے اس کا ملال نہیں.... جو کچھ میرے بس میں تھا میں نے بخوبی کیا۔ اپنے کام کو عبادت جانا۔

اگر تمہاری عبادت رائیگاں جائے تو؟

نہیں محبت اور محنت رائیگاں نہیں جاتی.... کسی اور انداز سے واپس ضرور ملتی ہے۔

میں نے بُخل سے کام نہیں کیا بلکہ فیاضی سے اگلی نسلوں میں تقسیم کیا ہے .... وہ سب جو میرے پاس تھا۔

معاوضے میں کیا وصول کیا؟

مالک کی محبت سے بڑی دولت کیا ہو گی....؟

ہونہہ....تو تم خوش ہو....!

ہاں....اسقدر خوش کہ شکر کے لئے حرف نہیں ملتے اور اظہار کے لئے سجدہ ادھورا ہے۔

کسی رشتے سے کوئی شکایت نہیں؟

نہیں.... ہر رزق میری بساط سے زیادہ مجھے ملا۔ مجھے خود سے امیر کوئی نہیں دِکھتا....
باقی سب ہاتھوں کے میل کے چکر میں پھنسے ہیں اور میں....انہی ہاتھوں سے رزق جھولیاں بھر بھر کے بٹور رہی ہوں....صدشکر....!

ان کی دولت ختم ہو جائے گی اک دن جبکہ میرا سکہّ جاری رہے گا۔آنے والی نسلوں کی پکاریں میرا نام....   باقی سب گمنام!

سکوت

میرے جذبوں کو ساکت کر گیا ہے
نہ جانے کون مجھ میں مر گیا ہے

تمہیں پتہ ہے کہ سکوت کیا ہے؟
ہاں جیسے کسی مرگ پہ کوئی شخص سکتے کے عالم میں ہوتا ہے۔ ایک حیرتی تصویر کی مانند۔ جو خود نہیں روتا مگر اسکے کرب کی کیفیت سب کو رُلا دیتی ہے۔
تم خود بھی تو اس کیفیت میں تھیں ناں؟
نہیں .... میں مُسکرا رہی تھی اور مالک کے فیصلے پر صاد کر رہی تھی کہ اس کی پناہ سے بہتر پناہ گاہ کوئی نہیں۔ کسی لمحے کوئی آنسو بھی بہتا تھا۔ وہ بھی تو سکوت تھا۔
اور جب تم غسل دے رہی تھی تو تمہاری محبت کی نگاہ سے موم پگھل رہی تھی۔
ہاں میرا جی چاہتا تھا کہ میں اُسے تکتی رہوں....سارا منظر آنکھ سے دل میں اُتار لوں۔
تمہیں خبر ہے کہ کچھ کیفیتوں اور موقعوں پر سکوت کیوں ضروری ہے؟
نہیں۔
ضبط کے لئے اور جذب کے لئے۔ قیام نہ ہو تو پھر سفر کیسے ہوگا؟
تمہاری باتیں میرا دل موہ لیتی ہیں۔
موہ کیا ہے ... چاہ ہی تو ہے۔ مگر مان لو کہ اس چاہ میں آہ ضروری ہے۔ ساز میں سوز نہ ہو تو وہ کس کام کا؟
ہاں تو سکوت ہماری روح کیوں مانگتی ہے؟

سکون کے لئے ۔ کائنات کی تخلیق سے قبل سکوت تھا۔ جیسے اختتام سے پہلے اک گمبھیر خاموشی ہو گی ۔ معلوم ہے ناں کہ جب بچے کو ماں سے جُدا کرتے ہیں تو خاموشی ہوتی ہے ۔ پھر بچے کا رونا نئی زندگی کا اعلان ہوتا ہے ۔ انسان کا اصل سکوت ہے کلام نہیں ۔

انسان کا آنسو اس کی روح کے سکوت کی گواہی ہے سچے اشک پر تو عرش بھی کانپ اٹھتا ہے ۔ جب دِل ٹوٹتا ہے تو بظاہر کوئی صدا نہیں آتی حشر تو بعد میں بپا ہوتا ہے ۔

پہلے بے یقینی ہوتی ہے ۔ اک آس ہوتی ہے ۔ یقین آنے پر آس ٹوٹنے پر ہی حلق سے چیخ نکلتی ہے لیکن دل تو دن میں ہزاروں بار ٹوٹتا ہے ۔ اسی شکست پر تو انسان کو ماننا ہوتا ہے کہ عظمت ربّ کی ہے ۔ انسان بے بس ہے ۔ کُل اختیار مالک کا ہے ۔ وہ جو چاہے کر دے نہ چاہے تو ہماری دُعائیں مستجاب نہیں ہوتیں ۔ لیکن وہ تو دُعا سُنتا ہے ۔ لاریب...مگر وہ جب چاہے جواب دے ۔ کچھ دُعائیں اسی لمحے پوری ہو جاتی ہیں اور کچھ بعد از مرگ کہ وہ ہمیں بہتر اجر دینے والا ہے ۔ وہ ہمارے لئے بہترین فیصلے کرتا ہے ۔

پھر ہم ربّ کو الزام کیوں دیتے ہیں؟

اپنی کم فہمی کے باعث....جبکہ اکثر سزاؤں کی وجہ ہم خود ہیں ۔ ہمارے اعمال ہیں ۔ ہم اپنے پیاروں کے حقوق پورے نہیں کرتے ۔

کہتے ہیں کہ ربّ ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے؟

ہاں اور ماں کے ہر روپ کو پہچانو ، ہر ماں دوجی سے مختلف ہوتی ہے ۔ لیکن ہر ماں بچے کو سزا دے کر خود بھی دُکھی ہوتی ہے ۔ ربّ بھی دُکھی ہوتا ہے مگر اُس کی جلالی صفات کم اور جمالی بہت زیادہ ہیں ۔ رحمتِ بے کنار کی طرح اس سے محبت کرو اور رحم مانگو ۔

مگر ہم تو ہر بات پر قسمت کو دوش دیتے ہیں ۔ قصور قسمت کا نہیں ۔ پُرکھوں کا کیا دھرا بھی تو ہمارے حصے میں آتا ہے ۔ اور یہ بھی مان لو کہ گذشتہ تین نسلوں کے اعمال کا سایہ بھی ہم پر ہوتا ہے ۔ جبھی تو بار بار ربّ نے کہا کہ نیک اعمال کرو ۔ بیج کوئی ڈالتا ہے اور پھل کسی دوسرے کا نصیب ہوتا ہے....یہی قانونِ قدرت ہے ۔

ہم اگر کسی کی راہ کا پتھر اٹھائیں گے تو ہمارے لئے کوئی آسانی نصیب میں ہو گی ۔

کر بھلا....ہو بھلا....!

تحقیق تو یہ بھی بتاتی ہی کہ گذشتہ سات نسلوں یا پھر نونسلوں کے اعمال ہماری زندگیوں میں تغیر یا تبدیلی کی بنیاد رکھتے ہیں۔ جانے سچ کیا ہے مگر یہ تسلیم کرنا ہی ہوگا کہ ہمارے پُرکھوں کا ہمارے لیکھ میں اچھا اور برا حصہ شامل ہوتا ہے۔

پھر ہم کیوں بخیل ہو جاتے ہیں۔ صرف اپنی ذات کا سوچتے ہیں۔ ذات سے باہر بھی تو ہزاروں حصے بکھرے ہیں وہ بھی ہمارے ہیں وہ بھی ہم ہی ہیں۔ ہمیں جس جس جزو نے کُل بنایا ہم اسے کیسے فراموش کر دیتے ہیں۔

ہماری تخلیق سے تعمیر تک کے سفر میں ہم ہر پڑاؤ اور چھاؤں کو کیوں بھول جاتے ہیں۔ ان کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے ہیں انہیں زندگی ہی میں خراجِ تحسین کیوں نہیں دیتے۔ ہمارا محض ایک خوبصورت جذبہ انہیں توانائی دینے کے کام آ سکتا ہے۔ ہم ہمیشہ موت کے بعد ہی کسی کو سیلوٹ کیوں کرتے ہیں کہ اس شخص نے زندگی میں اچھے کام کیے اور خلق کی خدمت کی جبکہ اُسے اپنی زندگی میں تو یہی طعنہ سننے کو ملتا ہے کہ وہ اپنا وقت فضول کاموں میں ضائع کرتا ہے۔ جبکہ اُس کے پیشِ نظر رب کی خوشنودی ہوتی ہے۔ وہ حقوق العباد کی اہمیت کو بخوبی جانتا ہے۔ اسلئے اُس پر عمل کرتا ہے۔ اُس کو ورثہ میں اچھے اعمال و افعال ملتے ہیں جبھی وہ آئندہ نسلوں میں منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس سفر میں موت کے لمحے سے پہلے پہلے اُسے دوجوں میں زندگی بھرنی ہے چاہے اُس کی زندگی کا دورانیہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ اُسے اپنے حصے کا کام انجام دینا ہے۔ اور جو طویل زندگی پاتے ہیں اور کثیر تجربے سے مالا مال ہوتے ہیں ہم آخر وقت سے پہلے کیوں اُن لوگوں کو ریٹائر کر دیتے ہیں۔ موت سے پہلے ہی زندگی میں کیوں مار دیتے ہیں۔ یہی سکوت ہے اور یہی موت ہے۔ ان کو سانس لینے دیں تا کہ وہ آئندہ نسلوں کو ورثہ منتقل کر پائیں۔

ہم دِلوں ذہنوں کو کشادگی کیوں نہیں دیتے؟

کیا ہم بہت خود غرض ہو گئے ہیں۔

ہاں... یہی سچ ہے... کڑوا سچ!

اور کیا تم جانتی ہو کہ سکوت کی اک منفی صورت حسد بھی ہے جو ہمارے ساتھ دوجوں

کو بھی جلا کر خاکستر کر دیتا ہے اور ہم قاتل بن جاتے ہیں کبھی انسانوں کے تو کبھی روحوں کے جو خاموشی میں سب کچھ جھیل جاتی ہیں اور جن کی پُکار ربّ سنتا ہے۔

ہاں....ربّ سنتا ہے!

میں نے ہر لمحہ دعائیں دی ہیں
کتنی خاموش صدائیں دی ہیں!

آ گہی

میں نے محبت کی چغلی کھائی
اور سزاوار کہلائی
ہر لمحہ مصلوب کرتا ہے
تم میرے خواب کا المیہ ہو
میں تمہارے سچ کا زہر
درد کی آ گہی
رنگ اچھالتی ہے
میرے برس نگلے گئے
میری ادھوری پیاس
وقت نے رہن رکھ لی
چراغ کا دھواں
مصور نے تصویر کیا
ہر زہر کا تریاق ہوتا ہے
درد کا تریاق ہی نہیں
میرے ہاتھوں کا حُسن
تمہاری روح سے زیادہ حسین ہے
تمہاری کراہ

میرا راستہ کھوٹا نہیں کر سکتی
میں آج جذبوں سے زیادہ
حقیقتوں کی اسیر ہوں!

تم خواب دیکھتی ہو؟

ہاں ....میں بھی خواب دیکھتی ہوں ...بہت سے خواب

خواب کیسے ہوتے ہیں اور لوگ کیسے دیکھتے ہیں؟

ہاں یہ سوال تم نے اچھا کیا۔ دراصل ہماری ساری زندگی طویل اور مسلسل خواب کے ٹوٹے ہوئے مختلف حصوں کی طرح ہے۔مختلف حصوں میں بٹی ہوئی ہے....

اچھا....تو یہ بچپن ....جوانی ...بڑھاپا....

ارے چھوڑو یہ پھر بتاؤں گی پہلے تمہارے سوال کا جواب دوں گی۔ میں بہت سے خواب دیکھتی ہوں۔

خواب زندہ رہتے ہیں بس نوعیت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ رنگ بدلتے جاتے ہیں جیسے خاموش فلموں کا دور تھا لوگ پراسرار چپ کے راز جان جاتے تھے۔ پھر رفتار بڑھی اور بلیک اینڈ وائٹ فلمیں منظر عام پر آئیں۔

یہ دھیرے دھیرے خاموشی کو توڑنے کی کوشش تھی جو وقت نے کامیاب ہونے دی۔ پھر چیخ پکار ہوئی اور فلمیں رنگین ہوگئیں۔گلیمر نے حُسن کی جگہ لے لی اور سادگی نے غازہ پہن لیا....پھر اشتعال بڑھا۔ ہیجان نے گہری نیلی فلموں کا لبادہ اوڑھا اور ہوس کاروبار بن گیا۔

یہ گہری نیلی فلمیں کیا ہوتی ہیں؟

یہ بھی بس ہوتی ہیں۔تم ابھی سمجھو گی نہیں جب دیکھو گی تب سمجھو گی بلکہ برسوں بعد جانو گی۔انسان نے وحشت سے محبت کر لی اور انسان سے درندہ بن گیا۔ یہ فلمیں بھی دراصل لوگوں کا خواب ہوتی ہیں۔جسمیں روح نہیں صرف جسم اداکاری کرتے ہیں۔

کیا روح کی رضا کے بغیر اداکاری ہوتی ہے؟

ہاں ...فن ہر شخص کے لئے عبادت کا درجہ کہاں رکھتا ہے؟

بیشتر لوگ کسی پہاڑے کی طرح بہت کچھ رٹتے ہوئے زندگی گزار دیتے ہیں اور کامیاب بھی رہتے ہیں۔

یہ والی اداکاری کون لوگ کرتے ہیں؟

بیشتر لوگ کرتے ہیں۔

کیسے لوگ؟

یہ بات تم زندگی کے مطالعے کے بعد ہی جان سکو گی۔ میں تو بات کر رہی تھی اُن فلموں کی جن میں صرف جسم اداکاری کرتے ہیں۔ صرف اور صرف جسم...!

تم جسم کے لہجے کو اتنے غلط انداز سے کیوں استعمال کرتی ہو؟

کیونکہ میں جانتی ہوں کہ جسم کیا ہے؟ اس کی بھوک کیا ہے اور روٹی کے لئے جسم کا رزق کیوں چھینتے ہیں لوگ۔ لوگوں نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے۔ انسان جب تک انسان رہے تب تک وہ قابلِ برداشت اور خوبصورت نظر آتا ہے۔ مگر جب انسان کی حیوانیت بیدار ہو جائے تو وہ نا قابلِ برداشت اور نہایت بدصورت ہو جاتا ہے۔ کسی مکروہ صورت کی طرح......

کیا ہر انسان؟

ہاں ہر انسان اور میں یہ بات محض جسم کے حوالے سے نہیں کر رہی بلکہ ہر حوالے سے کر رہی ہوں۔

جب انسان حیوان بنتا ہے تو اُس کی آنکھوں پہ پٹی بندھ جاتی ہے اور اندھے انسان کا پاگل پن تم نہ ہی دیکھو اور جانو تو اچھا ہے۔

اوہو....اندھا نہیں نابینا....اندھے تو ہم سب ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم آنکھیں رکھتے ہیں جبکہ ہم کچھ بھی دیکھنے سے قاصر ہیں۔ تو بات ہو رہی تھی مرد کی....دراصل یہ عجب مخلوق ہے کبھی کبھی جب یہ خود کو انسان سمجھنا بند کر دیتا ہے تو جنگلی جانور بن جاتا ہے تب وہ واقعی کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، کسی کُتے کو کبھی سڑکوں پہ آوارگی میں دیکھا ہے تم نے....کسی بھی تلاش میں وہ عورت کے سامنے دُم ہلاتا رہتا ہے۔

کیا عورت مرد کو...میرا مطلب ہے اُس مرد کو جو کتے کا روپ دھارے اُسے ہڈی

دے دیتی ہے؟

ہاں ہوس آنکھوں سے خون بن کر ٹپکتی ہے تو کچھ عورتیں اپنا آپ ہڈی کی طرح اُس کے آگے پھینک دیتی ہیں۔

کیا تمام عورتیں؟

نہیں .... ہاں ....شاید بیشتر عورتیں اور جنہیں وقت مجبور کرتا ہے وہ عورتیں۔ جو کسی کی رکھیل بننا نہیں چاہتیں مگر ظالم وقت کے ہاتھوں ڈھے جاتی ہیں۔ پھر وہ اپنے لمحے کا انتظار کرتی ہیں جب ان کے دروازے پہ دستک ہوتی رہتی ہے اور وہ خاموشی سے اندر کمرے میں تنہا بیٹھ کر مُسکراتی ہیں کہ آنے والا عورت کی پاکی سے ناواقف ہے۔

اچھا تو یہ بتاؤ کہ کیا چبائی ہوئی ہڈیاں بھی لوگوں کے کام آتی ہیں؟

ہاں آتی ہی رہتی ہیں اور سب لوگ کہاں جانتے ہیں کہ ہڈی چبائی ہوئی ہے کہ نہیں ... کچھ کا ظاہر بہت عمدہ ہوتا ہے ، نہایت پر کشش اور مرد اس کے اصل کو نہیں جان سکتا۔ پیکنگ کے بہت نمبر ہوتے ہیں پراڈکٹ اندر سے بھلے بُری ہو ....لوگ اشتہار بازی پر جاتے ہیں کہ ان کی اشتہا بہت ہوتی ہے۔

اُف ! مجھے تو ایسے منظر سوچ کر ہی نفرت ہو رہی ہے۔گھن آتی ہے۔سنو! کیا ہر مرد ہر عورت کے سامنے دم ہلاتا ہے۔

ہاں ....تقریباً ہر عورت کے سامنے .... کیونکہ ہر مرد کی عورت مختلف ہوتی ہے جسے جو بھی میسر آ جائے۔

اچھا تو پھر آج یہ راز کھولو کہ تم کیسی عورت ہو؟

میں .... میں کیسی عورت ہوں ...؟ میں ایک مکمل عورت ہوں۔ میری خواہش ہر جاہل اور باشعور شخص کرسکتا ہے۔ یہ الگ بات کہ مجھے اپنانے کا حق سب نہیں رکھتے۔

اچھا... جاہل کیوں؟

اسلئے کے اسے علم کی دولت حاصل ہو سکے۔ ہم اسی چیز کی طلب کرتے ہیں جو ہمارے اپنے پاس نہ ہو۔ ایک اعلیٰ عورت ہر شخص کو سکون دینے کی اہلیت رکھتی ہے۔ مرد کو سُکھ دے سکتی ہے۔

یہ مرد کا سُکھ سکون کیسا ہوتا ہے؟

مرد کا سکون ....مرد بہت نا مطمئن اور نا خوش رہنے والا انسان ہے۔ اسے سکون دینے کی خاطر عورت اپنا آپ لٹا دیتی ہے مگر وہ پیاسا ہی رہتا ہے۔ اُس کی بھوک اُس کی پیاس کبھی نہیں بجھتی۔ کبھی بھی نہیں بجھتی اور کبھی تو ایک ہی پل میں اچانک بُجھ جاتی ہے۔ اس طرح کہ اُسے خود بھی معلوم نہیں ہوتا۔ جب ہوتا ہے تو اُسے سیراب کرنے والی بدلی کہیں بہت دور جا چکی ہوتی ہے۔ جب کوئی شے دسترس میں نہ رہے تب وہ عزیز ہو جاتی ہے اس کی طلب بڑھ جاتی ہے۔ انسان اُس کی خواہش میں تڑپتا ہے، بلکتا ہے جیسے ماں باپ کی موت کے بعد اولاد کو اپنی کوتاہیوں کا خیال آتا ہے۔ اولاد سوچتی ہے کاش ہم نے انہیں کوئی دُکھ نہ دیا ہوتا۔ کاش ہم نے ان کی خواہشات کا احترام کیا ہوتا۔ مگر زندگی بھر انسان اس کاش کے چُنگل سے آزاد نہیں ہو پاتا۔ اس گرداب میں دھنستا ہی چلا جاتا ہے .....

ارے ...تم نے تو اُداسی بکھیر دی ہے۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ تم نے تو بہت سے انسانوں کو قریب سے دیکھا ہے ... ہے ناں؟

ہاں ...مگر ان انسانوں میں انسانوں والی باتیں کم تھیں۔ بہت ہی کم۔ کئی لوگوں میں تو نہ ہونے کے برابر تھیں۔

کیا بہت سے لوگ ایسے تھے جن میں انسانیت زندہ تھی ...؟

ہاں کچھ لوگ ایسے تھے مگر بہت سے انسانیت دفنا چکے تھے کچھ اپنے ہاتھوں قتل کر چکے تھے۔

خیر اب تم انسان اور انسانیت کی بحث چھوڑو صرف مردوں کی بات کرو۔

تم نے تو ہر قسم کے مرد دیکھے ہیں۔ کیسے ہوتے ہیں یہ مرد لوگ؟

بس ایسے ہی ہوتے ہیں یہ مرد ... کچھ مردوں میں تو کچھ عادتیں یکساں ہوتی ہیں اور کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی ان کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ کچھ مردوں میں مختلف انداز میں ہوتی ہیں۔ کچھ خوبیاں کچھ خامیاں ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن بعض باتیں محض چند شخصیات کا حصہ ہوتی ہیں۔

مگر وہ کیسے؟

وہ ایسے کہ پڑھے لکھے مردوں کی ضروریات اور خواہشات مختلف ہوتی ہیں۔

وہ کیا چاہتے ہیں؟

وہ چاہتے ہیں کہ عورت ذہنی طور پر خوبصورت اور پختہ ہو۔ کہی ان کہی تمام باتیں اسی سطح پہ سمجھے جس پہ کہی جائیں۔ کچھ عورت کی حسین روح کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ ایک اور بات جو مرد چاہتا ہے اور وہ یہ کہ عورت بولڈ ہو....

یہ بولڈ عورت کیسی ہوتی ہے؟

وہ جو مردوں کو کلین بولڈ کر دے

اچھا؟

مرد کو کھیل اور کھلاڑی پسند ہوتے ہیں اسی لئے وہ یہ چاہتے ہیں۔ کبھی بھی وہ کسی ٹیم کا حصہ بن جاتے ہیں اور ہار جیت کو زندگی موت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ کتنی رقمیں داؤ پر لگتی ہیں جنہیں مرد کمانے کے لئے اور منفرد ہونے کے لئے خود کو بھی داؤ پہ لگائے رکھتا ہے تا کہ مرد کہلا سکے۔

ہاں اسلئے کہ حقیقت میں وہ مردانگی کے صرف حرف سے واقف ہے۔ خصوصیات سے نہیں نہ اب وہ خصوصیات کا اہل خود کو ثابت کرتا ہے اور نہ ہی کرنا چاہتا ہے۔ اب اس کی ترجیحات بدل گئی ہیں۔ رویئے بدل گئے ہیں۔

یہی بات وہ عورت کے معاملے میں بھی سوچتا ہے وہ کبھی عورت کے سامنے ہارنا نہیں چاہتا مگر لاشعوری طور پر وہ اس شکست کا خواہشمند ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ کوئی ہو جو اُسے کرچی کرچی کر دے۔ اُسے ہلا کے رکھ دے اسطرح کہ اُسے دوبارہ اپنی شخصیت بنانا پڑے۔ مرد اپنی تکمیل چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ صرف عورت ہی اُسے مکمل کر سکتی ہے۔ عورت ہی ہے جو مرد کی شناخت کرواتی ہے اور مرد سے اُس کا اپنا آپ ملواتی ہے۔

اپنا آپ ملواتی ہے وہ کیسے؟

ہاں عورت ہی مرد کا آئینہ بن کر اسکا نقش اُسے دکھاتی ہے۔

وہ کیسے؟

دراصل محبت وہ جذبہ ہے جسمیں عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے میں اپنا عکس تلاش کرتے ہیں اور خود شناسی کے عمل سے واقف ہوتے ہیں۔ محبت ہم کسی فرد سے نہیں بلکہ اپنی ذات ہی سے کر رہے ہوتے ہیں۔

لیکن وہ کس طرح ؟

جب ہم کسی میں اپنا عکس دیکھتے ہیں ....اپنا چہرہ....اپنا کوئی روپ....تو ہم اپنے اس روپ سے محبت کرتے ہیں اُس شخص سے نہیں ....۔

دیکھو! جب ہمیں کوئی بھی اپنے جیسا نظر آتا ہے تو ہم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اسمیں اپنا آپ ملتا ہے اسلئے....اسلئے نہیں کہ اسمیں کوئی خوبی نظر آتی ہے۔ دوستی اور محبت کی وجہ بھی یہی مشترک خصوصیات بنتی ہیں۔

وہی متاثر ہونے والی بات ....!

تو میری پیاری متاثر ہونا تو بہت بڑی بات ہے جو ہم جیسوں کے پاس نہیں۔ ہم کسی کی خوبیاں تسلیم نہیں کرتے کہ ہم کم ظرف ہیں مگر دل ہی دل میں کسی ایسے شخص کی کشش کے اسیر ضرور ہوتے ہیں جو ہم سے کسی بھی لحاظ سے بہتر ہو۔ یہ بات پھر ہمارے ظرف پر آ کر رُکتی ہے کہ ہم حسد کرتے ہیں یا رشک۔

تم بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو.... یہ بتاؤ کہ فنکار قسم کے مرد کیسی عورت پسند کرتے ہیں؟

وہ جو اس سے اونچی فنکارہ ہو یا پھر جو ان سے کم درجے کی ہنر مند ہو۔ مرد عموماً رشک کا شکار نہیں ہوتے۔ اُن کا حسد اُن کا انتقام....اللہ کی پناہ....بہت شدید ہوتا ہے۔

مگر اُس دن تو ایک شخص تم سے کہہ رہا تھا کہ آپ تو مجسم فنکار ہیں۔

ہاں دراصل وہی کیا بیشتر لوگ بذاتِ خود بہت بڑا ڈرامہ ہوتے ہیں۔ ان کے اندر باہر طویل ڈرامہ چلتا رہتا ہے اور ہم میں سے بہت سے لوگ جان نہیں پاتے۔

بہت سے لوگ جان نہیں پاتے ؟

اسلئے کہ وہ کم علم ہوتے ہیں اور تجربے کا زہر پیئے بغیر زندہ ہوتے ہیں۔

تجربے کا زہر کیا؟

وہ تم نہیں جانتیں دراصل تجربے کا زہر پہلے آنکھوں میں پھر دل میں پھر بدن پر اور پھر روح میں اتارنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے زندگی کی پاتال میں اترنا پڑتا ہے۔

پاتال کیا ہے؟

تم نے فہمیدہ ریاض کونہیں پڑھااسلئےنہیں پتہ اور ہر بات میں تمہیں کیوں سمجھانے بیٹھوں۔
چلو کچھ اور مت بتاؤ مگر اتنا تو بتا دو کہ خواب کیسے دیکھتے ہیں؟ میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔
بھئی خواب دیکھنے کے لئے کچھ بھی تو نہیں کرنا پڑتا اور ایک طرح سے بہت کچھ کرنا بھی پڑتا ہے۔ کچھ لوگ تو جاگتی آنکھوں سے بھی خواب دیکھتے ہیں۔

وہ کیسے؟

بس ان کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور وہ اپنی مرضی کے خواب دیکھ لیتے ہیں۔تمہیں پتہ ہے کہ کچھ لوگ نیند میں چلتے ہیں ۔ چلتے چلے جاتے ہیں۔کبھی انجان اجنبی راستوں پر اور کبھی جانے پہچانے راستوں پر۔ دراصل سب کا مسئلہ سفر ہے۔منزل کی کھوج ہے۔ وہ منزل جو کہیں نہیں ہوتی اور ہر جگہ ہوتی ہے..... ہاں تو بات ہو رہی تھی خواب کی جو لوگ سوتے میں خواب دیکھتے ہیں اُن کے کچھ خواب تو اتنے سہانے ہوتے ہیں کہ وہ اس کو حقیقت جان کر اسی میں ساری زندگی گذار دیتے ہیں اور کبھی کبھی تو خوفناک خواب ڈرا بھی دیتے ہیں۔

خوفناک....خوفناک خواب؟

ہاں .....خوفناک خواب زندگی کی تلخ حقیقت کی طرح اندر باہر کڑواہٹ بھر جاتے ہیں اور انسان کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ پھر خواب دیکھنے کی عادت چھوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے کچھ خواب تو وہ جو آنکھوں میں بھرے جاسکیں۔رنگین خواب۔تتلیوں کے خواب، پھولوں کے خواب، خوابوں کے خواب، بھلا ایسے خواب کیوں دیکھے جائیں جن سے حیرت سے آنکھیں پھٹنے لگیں یا خوف سے سُکڑنے لگیں یا ان خوابوں کی تعبیر اُلٹ ہونے کا دُکھ انسانوں سے خواب چھیننے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

کبھی کبھی خواب خوابوں کو کھا بھی جاتے ہیں۔تمہیں ایک بات بتاؤں کچھ لوگ جاگتی آنکھوں کے خواب دیکھتے ہیں۔ مجھے ایسے خواب بہت اچھے لگتے ہیں...اپنے اپنے سے لگتے ہیں۔

سنو! میں بھی تمہیں اچھی لگنا چاہتی ہوں۔ میں بھی جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھوں گی۔

ہونہہ! مگر تمہاری آنکھیں کہاں ہیں؟ تمہارا چہرہ کہاں ہے؟
آخر کوئی تو بے چہرہ عورت ہو گی؟

ہاں ہزاروں ہیں جو محض جسم ہیں اور استعمال کے بعد اُن کا چہرہ بھی کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ روح کا تو ذکر ہی نہیں.... کہ روح گم ہوتی ہے۔

مگر میں تو اُن میں سے نہیں ہوں۔ مجھے تو کسی نے کبھی نہیں چھوا۔

تم نظر آؤ گی تو سبھی ہاتھ بڑھیں گے۔تمہارا ماس نوچنے کو ہزاروں ناخن بڑھیں گے۔ لاکھوں خونخوار آنکھیں تمہیں نفرت سے دیکھیں گی اور ان لوگوں نے آگ پہن رکھی ہو گی۔ وہ تمہارے گرد دیوانہ وار رقص کریں گے تا کہ تمہیں اپنے گروہ میں شامل کر سکیں۔

یہ گروہ کیا ہوتا ہے؟

چند لوگ مل کر اپنی مرضی سے کوئی تنظیم یا گروہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ بظاہر وہ ایک ہی خیال یا عقیدے کے لوگ ہونگے درحقیقت وہ سب ایک دوسرے کی مخالف سمت میں سفر کر رہے ہوتے ہیں مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

سب لوگ چاہتے ہونگے کہ تم ان کے ساتھ زندگی بسر کرو۔

مگر میں ان سب کے ساتھ کیسے زندگی گزار سکتی ہوں۔

سب کے ساتھ نہیں تو چند کے ساتھ زندگی گزار لو۔

ہاں وہ جو تمہارے دوست ہیں۔

میرے دوست....؟ میرا تو کوئی دوست نہیں ہے۔

اور وہ جس نے تمہارا ہاتھ تھاما تھا وہ...؟

دراصل اسوقت میں نے اپنا ہی ہاتھ تھام رکھا تھا بلکہ اسوقت ہی کیا میں نے تو ہر وقت اپنا ہی ہاتھ تھاما ہے۔

حیرت ہے تمہیں تو اتنے ہاتھ ملتے ہیں.... پھر؟

ہاں بہت سے ہاتھ ملتے تھے.... ملتے ہیں اور ملتے رہیں گے مگر وہ سب صرف ہاتھ ہیں۔تم بھول جاتی ہو کہ اُن ہاتھوں میں روح کبھی شامل نہیں تھی۔ بلکہ روح تو موجود ہی نہیں تھی۔

ایک تو تم ہر بات میں روح کو خواہ مخواہ گھسیٹ لاتی ہو۔

کیا کروں عادت سے مجبور ہوں۔

کونسی عادت سے؟

بہت سی عادتوں سے .....

مثلاً ؟

مثلاً یہ کہ میرے سامنے لوگوں کے سبھی نقاب، چہرے کی ریلنگ سے نیچے زمین پہ آ رہتے ہیں۔ میں جھوٹ اور منافقت برداشت ہی نہیں کر سکتی۔

کیا اسے عادت کہنا ضروری ہے؟

نہیں اسے کچھ بھی کہا جا سکتا ہے۔ تم اسے مزاج بھی کہہ سکتی ہو۔

تم تو بہت سی عادتوں اور مزاجوں سے واقف ہو.... اتنے لوگوں کو بھگتتے بھگتتے تھکیں نہیں۔

تھکن .... آہ .... تھکن ....   ہاں اب وہ میرا راستہ نہیں روکتی اور تم نے ھل من مزید سُنا ہے ناں بس وہی بات ہے۔ اب میں تھکتی نہیں..... پہلے پہل میں تھک جاتی تھی۔ ڈھے جاتی تھی۔ گر جاتی تھی۔ اب میں گرتے ہوؤں کو اٹھا لیتی ہوں میں بہت دُور تک اور بہت دیر تک چلتی چلی جاتی ہوں۔

سرد راتوں میں ننگے پاؤں برہنہ سڑکوں کے بدن پر چلنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ بہت اچھا لگتا ہے۔ جیسے میں اپنے ہی بدن پہ پاؤں دھرتی ہوں اور قدموں کی آواز تک نہیں آتی .... ہے ناں حیرت کی بات۔

نہیں .... ممکن ہے بہت سے لوگوں کو بھی تمہاری آواز نہیں آتی ہوگی مگر میں سُنتی ہوں۔ وہ سب تو گونگے بہرے ہیں۔ آواز کی دُنیا سے اُن کا کوئی تعلق نہیں اور احساس سے اُن کا کوئی رشتہ نہیں .... بلکہ ان کا کسی سے بھی کوئی تعلق نہیں وہ تو خود سے بھی بچھڑے ہوئے ہیں ان تک نہ صدا جاتی ہے نہ کوئی اور ذریعہ جس سے وہ تمام دل کی وارداتوں کو جان سکیں۔ تمہاری روح کے درد کو پہچان سکیں.....

تمہارا کس دُنیا سے تعلق ہے؟

میرا تعلق ہر دُنیا سے ہے۔ میں ہر دور میں وقت کی ساعت بھی ہوں اور آواز بھی بلکہ میں وقت اور دُنیا کی قید سے نکل چکی ہوں۔ میں تو اپنے بدن کی قید سے بھی برسوں پہلے کی رہائی حاصل کر چکی ہوں۔ میں ایک آزاد عورت ہوں جو دُنیا کو نئی آنکھ سے دیکھتی ہے۔

نئی آنکھ .... تمہاری پرانی آنکھ کیا ہوئی ؟

پرانی آنکھ کے کیمرے سے جتنے منظر عکسبند کرنا تھے وہ کر لئے اب فلم ختم ہو گئی ہے۔ میں نے اسے ضائع کر دیا۔اب میری آنکھ کی پُتلیوں میں نئی فلم کی ریل چل رہی ہے۔

تم فلم بناتی ہو؟

ہاں فلم بھی بناتی ہوں

اور....؟

اور تصویر بھی بناتی ہوں

اور....؟

اور نظم کہانی جیسی نا جائز اولاد پیدا کرتی ہوں ایسی اولاد جس کی ماں بھی میں اور باپ بھی میں۔

کیا تم ان تخلیقی کاموں کو غلط سمجھتی ہو....نا جائز کہتی ہو؟

میں نہیں لوگ ایسا کہتے ہیں۔ میں تو فخر سے سر اونچا کر کے اعلان کرتی ہوں کہ ہاں اگر یہ جرم ہے تو میں اقرار کرتی ہوں کہ میں مجرم ہوں۔ جو سزا دینا چاہو دے ڈالو۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں اس اولاد کی خالق ہوں۔

تم تو بنانے کی بات کر رہی تھی ناں...

ہاں تم اور کیا پوچھنا چاہتی ہو؟

یہی کہ کیا تم انسانوں کو بنانا جانتی ہو؟

ہاں بہت خوب جانتی ہوں

بننا بھی جانتی ہو؟

ہاں بننا اور بن بن کے بگڑنا بھی جانتی ہوں۔

کیا تم سبھی کچھ جانتی ہو؟

ہاں میرا سُکھ اور میرا دُکھ بھی یہی ہے کہ میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ان سب سے زیادہ جانتی ہوں۔اذیت سہتی ہوں۔ ان کے اصل چہرے دیکھنے کے بعد بھی ان کو معاف کر کے مسکرا کے ملتی ہوں وہ سمجھتے ہیں کہ میں نا سمجھ ہوں اور میں ان کی سادگی پر مُسکراتی ہوں....

ہاں میں مسکراتی ہوں کہ میں جانتی ہوں..... یہ نہیں جانتے کہ میں جانتی ہوں۔

مسکراہٹ ہی میرا روپ .....

میں جانتی ہوں .....کیوں جانتی ہوں یہ مالک جانے جوعلم دیتا ہے.....میں تو حرف جاننا اور جانتے رہنا چاہتی ہوں کہ آخری سانس تک مسکرانے کی خواہش رکھتی ہوں۔

میری اس خواہش کے پیچھے کہیں بھی خودغرضی شامل نہیں۔ ''میں'' کی پکار نہیں بلکہ آنے والی نسلوں تک محبت کی وہ سپردگی ہے جو خالق نے میرے ہاتھوں میں لکھی ہے۔ میں من وتو سے گزر کر صرف اُس کی رضا اور اُس کے محبوب کی بتائی ہوئی بات کو ایک معمولی سے عمل کے ذریعے دوسروں تک منتقل کرنے کی کوشش کرتی ہوں کہ سچی اور بےلوث محبت کا ایک بیج ہزاروں بالیوں کو جنم دیتا ہے۔

میں خالق کی تخلیق ہوں اور اُسی ذمہ داری کو مخلوق میں عام کرنے کی خواہاں ہوں۔

اگر یہ بات گناہ کے زُمرے میں آتی ہے تو بھی قبول اور اگر اجر ملتا ہے تو اُسی کا کرم۔ بات تو حق اور حقیقت کے راستے میں جلتے دیے کی لو ہے اور اِس کا تیل کبھی ختم نہیں ہونا چاہیے۔ چاہے اُس کے لیے مجھ ایسی ہزار جانیں قربان ہوں۔

یہ جو ہمارے بدن میں لہو کی گردشیں ہیں یہ سب مالک کا صدقہ جو اُسی کی چوکھٹ چومنے کو بےتاب اور بےقرار ہے اور لہو کا نذرانہ اُسی کی بھینٹ جس کی تعریف کے لئے تمام زبانوں کے تمام حروف ہاتھ باندھے کھڑے ہیں ازل سے ابد تک۔

آخری سانس

تم نے مجھ سے اتنے سوال کئے ہیں کہ میں اُن کے جواب دیتے دیتے تھک گئی ہوں۔ کیوں نہ آج میں تم سے کچھ سوال پوچھوں؟

سوال؟

ہاں تم نے اب عمر کے اس حصّے میں مجھ سے سوال پوچھے ہیں۔ اس سے پہلے تو تم خاموش تھیں۔

یہ تمہیں سوال پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

پہلے میں تمہارے ساتھ رہتے ہوئے اردگرد کے ماحول کو بھی دیکھتی تھی اور تمہارے حالات و واقعات اور تجربات کو بھی دیکھتی تھی کسی تیسرے فرد کی طرح۔ یہ عادت بلکہ یہ ہنر بھی دراصل میں نے تم سے ہی سیکھا کہ خود کو اجنبی سمجھ کر کس طرح دیکھا جا سکتا ہے۔

پھر تم نے کیا جانا؟

یہی کہ انسان ناظر کی حیثیت سے بہت کچھ سوچتا ہے۔ اپنے بارے میں درست فیصلے کر سکتا ہے اس منظر میں موجود ہونا اور نہ ہونا ایک دلچسپ بات ہے۔ حالات اور واقعات کو زیادہ گہرائی سے بہتر انداز سے دیکھا اور جانا جا سکتا ہے۔

میں نے تمہیں بہت پُراسرار پایا ہے۔

تم نے مجھے پہلی مرتبہ کب دیکھا تھا؟

جب تم نے پہلی مرتبہ آنکھ کھولی تھی۔

تب تو شاید موت بھی میرے سرہانے کھڑی تھی۔

پھر کیا وہ تمہیں چھوڑ کر کہیں دُور چلی گئی تھی۔

نہیں۔ وہ آکسیجن کی طرح میرے اندر باہر پھیل گئی۔ اس نے میری بہن سے مصافحہ کیا اور کسی اور دنیا میں چلی گئی۔ جہاں کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے کہ لوگ کیسی مسافت طے کرتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں؟

وہاں اُن پر کیا گزرتی ہے؟ میں بھی کہاں الجھ گئی ہوں تم کچھ میرے بارے میں کہہ رہی تھیں کہ تم نے پہلی مرتبہ مجھے اسوقت دیکھا تھا جب میں نے آنکھ کھولی ہی تھی۔

کیا پھر ہم ہمیشہ ساتھ رہیں؟

ہاں.... ہر جگہ ہر مقام پر میں نے تمہارا ہر روپ دیکھا۔

کیا تم نے واقعی میرا روپ دیکھا؟

نہیں بس وہ روپ جو تم نے مجھے دکھائے۔ تم میری سوچ سے کہیں زیادہ غیر روائتی ثابت ہوئیں اور کہیں کہیں بے انتہا روائتی بھی۔

تم میرے ساتھ رہتے ہوئے تو تھک گئی ہو گی؟

نہیں۔

حیرت ہے تم نے میرے ساتھ اتنے برس خاموشی سے گزار دئے۔ کوئی شکوہ شکایت کئے بغیر اور تم مجھ سے خفا بھی نہیں ہوئیں۔

یہ تو خوشی کی بات ہے.... دُکھ کی بھی ہے۔

میری طرح تم بھی دوراہے پر آ کے کھڑی ہو جاتی ہو۔

کیونکہ میں نے جان لیا ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ انسان کو ایک بہت بڑے دوراہے پہ لا کھڑا کرتا ہے۔

ہاں....اب تم چاہو تو مجھے تنہا چھوڑ کر جا سکتی ہو۔

حیرت ہے کہ تم علم اور تجربہ رکھتے ہوئے بھی مجھے یہ مشورہ دے رہی ہو؟

تم بھی کب تک ساتھ دو گی بالآخر ایک دن رخصت لو گی۔ میں اس لمحے تک ساتھ رہوں گی جب تک تم سانس لیتی رہو گی۔

لیکن میرا فیصلہ ہے کہ جس گھڑی کو کل آنا ہے وہ آج ہی آ کر چلی جائے۔

یہ تو تمہارا فیصلہ ہے ناں جبکہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں تمہاری زندگی کے ہر لمحے تک تمہارے ساتھ رہوں گی۔

اپنا فیصلہ بدل بھی تو سکتی ہو؟

ہاں مگر وہ میرے اختیار کا معاملہ ہونا چاہیے نہ کہ تمہارے جبر کا۔

اگر میں فیصلہ بدل سکتی تو اُس اولیں لمحے میں ہی بدل دیتی جب تم نے میرے ساتھ رہنے کا سوچا تھا۔ اب میں پیچھے نہیں جا سکتی۔ جانتی ہو کہ میں بھی تمہاری طرح ہر نئے مقام پر اپنی ساری کشتیاں جلا دیتی ہوں۔ سارے دروازوں کو قفل لگا دیتی ہوں اور پھر چابی بھی غائب کر دیتی ہوں۔ اب میں اپنی باتوں پر پشیمان بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی اور کو الزام دیتی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ جس وقت جو فیصلہ کیا گیا وہی اُس لمحے کا سب سے بڑا سچ تھا پھر ان باتوں پر پچھتاوا کیسا؟

یہ تم ہر بات میں میری نقل کیوں کرتی ہو؟

ہر شخص کے نقشِ قدم پر کون چلتا ہے؟ ہر ایک کی تقلید کون کرتا ہے؟ یہ تو کچھ خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں جن کا پیچھا کرنے کی خواہش جاگتی ہے۔

سچ بتاؤ تمہیں میرے رنگ میں رنگنا کیسا لگا؟

بہت اچھا.... اگر میرا کوئی اپنا رنگ ہوتا تو بالکل تمہارے رنگ جیسا ہوتا۔ تمہارے جیسا ہونا تو بہت بڑی بات ہے بہت اہم بات ہے تم کبھی اس کو عام مت جاننا۔

ارے... میں تو عام باتوں کو بھی خاص سمجھتی ہوں۔ جانتی ہوں پھر خاص کو عام کیسے سمجھوں گی... کیسے جانوں گی؟

ویسے تم اگر چاہو تو میرے بعد میرے بارے میں بہت کچھ کہہ سکتی ہو۔ لکھ سکتی ہو مگر ہاں مصلحتاً تو بہت سی باتیں لکھی بھی نہیں جا سکتیں۔

پھر کیسے لکھا جا سکتا ہے؟

تم بے فکر رہو میں تمہارے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہوں گی کچھ نہ لکھوں گی اور پھر اگر تم نہ رہو گی تو میں بھی کہاں رہوں گی۔

جب ہم دونوں نہیں رہیں گے تو کون رہے گا؟ کیا کہے گا... کس سے کہے گا اور

کیوں کہے گا ؟

ہمارے علاوہ کسی کے پاس ہمارے متعلق کوئی معلومات نہیں ۔ ہم بھی غالبًا قریب المرگ ہیں۔ ہم نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ بہت دیر تک زندہ رہے ہیں شاید قدیم سے آج تک۔ اب ہم مزید جی کر کیا کریں گے؟ پتہ نہیں زندگی کیسے رہے گی ؟ موت کیسے جیئے گی۔ انسان انسانوں کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے ....؟ ہمارے بعد جانے کیا ہو گا ؟ ہم نہیں جانتے یا ہم بہت کچھ جانتے ہیں۔ لگتا ہے اب ہم اور سانس اُدھار نہیں لے سکتے ۔ میں اور تم ہم دونوں تو زندگی کے پہلے ہی قرض دار ہیں۔ اُدھار کیسے چُکا ئیں گے؟

کون چکائے گا؟ کوئی اور بھی ہے۔ کیا کوئی اور بھی ہے ہمارے جیسا....؟ کوئی ہے بھی یا کوئی نہیں ؟

افسوس کوئی نہیں !
ممکن ہے کہیں کوئی ہو
ہاں ممکن ہے کوئی ہو ہم جیسا۔
کیا واقعی یہ ممکن ہے؟
ہاں یہ ممکن ہو بھی سکتا ہے اور ناممکن بھی .....
مجھے تو کچھ معلوم نہیں یا بہت زیادہ علم ہے ....معلوم نہیں ؟
معلوم ہی نہیں تو پھر علم کیسا ...؟
اسی معلوم سے نامعلوم کے سفر کا نام ہی تو حیات ہے۔
ابد سے ازل تک قائم و دائم
نہ کسی کے آنے سے کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ کسی کے جانے سے ....
یہ ہے زندگی....
ہاں یہی ہے زندگی!

زندگی

خواب زندگی کی آنکھ سے ڈھلکنے والا آنسو
وقت کے چہرے پہ آڑھی ترچھی لکیریں
ہر چہرہ خوبصورت نہیں ہوتا
ہر موت بھیانک نہیں ہوتی
ہر وقت ٹھہرنا نہیں جانتا

آخر تم کسی بھی رشتے میں پوری کیوں نہیں آسکی؟
شاید میں اس لائق ہی نہیں تھی۔ سبھی کردار ادھورے کئے۔ کوئی نہ کوئی کسر باقی رہ گئی ہمیشہ۔
کیا ڈائریکٹر کا قصور تھا یا رائیٹر کا...؟
قصور کسی کا بھی نہیں تھا....بس میری سمجھ میں ہی کم آیا۔
اور ماں کا کردار.... ہر فلم کی ماں.... ہر بچے کی ماں...وہ؟
ہاں میں ہزاروں کی ماں بن گئی اور نہ جانا کے ماں کے کردار کے لئے حقیقت میں کیا کچھ چاہیے۔ ماں .... بہت مکمل حرف ہے مگر اس کے معنی نہ کسی نے بتائے، نہ سمجھائے اور نہ ہی مجھے علم ہو سکا۔ شاید اس کا اصل روپ میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں ورنہ شاید میں ''وہ'' ہونے کی کوشش تو کرتی۔ یوں بھی میری ہر کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔
تو تم یہ تسلیم کرتی ہو کہ تم ہی سب کی مجرم ہو؟
ہاں....مگر مجھے معافی نہیں چاہیے۔ سزا کافی ہے۔ آخر تم ادھوری بات کیوں کرتی ہو؟

شاید پوری بات کہنے سُننے کو میں ہوں ہی نہیں۔ مجھے محبت ظاہر کرنا جو نہیں آتی۔

یہ جھوٹ بھی تو ہو سکتا ہے۔

پتہ نہیں....مگر.....میں اپنی کمزوری تسلیم کر رہی ہوں۔ وفا کا ثبوت کہاں سے لاؤں؟

کیسے یقین دلاؤں آخر...؟

تو سزا اولاد کا مقدر ہوا....؟

ہاں اس سوال کا جواب بھی میں نہیں ڈھونڈ پائی۔

کیا تمہیں دوسروں کے درد کا احساس ہوتا ہے؟

ہاں... بہت شدت سے ہوتا ہے۔

تو تم پہل نہیں کرتیں محبت میں؟

پتھر قدموں کو کون چلائے؟

میں تمہاری مجرم ہوں دراصل تم نے ایک ایسی فائل کو کھولا جسے پہلے کبھی کسی نے کھولنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ پھر تمہیں کیا بتاؤں اور کیسے؟

لفظ نہیں ہیں صرف ایک چُپ ہے۔ جانے میں کون ہوں.....ہوں بھی کہ نہیں؟

میں نے محبت کے بہت روپ دیکھے یا پھر نہیں دیکھے....!

دیکھو میں نے تمہاری روح کو چھونے کی کوشش کی تا کہ اس بدن کی سرحد کو عبور کر کے آگے نکلوں....مگر تم دیوار بن جاتی ہو۔

ہاں... میں نے تم سے بہت کچھ Share کیا۔

ٹوٹے خوابوں اور کھلونوں کی طرح جو میرے اندر بکھرے پڑے ہیں۔

میں نے جو کچھ پڑھا، جانا.....اس سچائی کو سیلوٹ بھی کیا مگر اب اور نہیں ٹھہرا جاتا۔

ہاں میں اعتماد کرتی ہوں، دھوکہ کھاتی ہوں، مُسکراتی ہوں کہ لو.....یہ بھی کام تمام ہوا.....

تمہارا مقصدِ حیات.....؟

ادھوری تحریروں کی تکمیل

خوابوں کو دیکھنا۔ ماننا کہ سچ ہونگے

آئندہ نسلوں کی تعمیر

خونی رشتوں سے انکار ممکن نہیں مگر ....
تقدیر کچھ ایسا کر دیتی ہے کہ میں کٹہرے میں آن کھڑی ہوتی ہوں۔
میلی آنکھوں سے بدن نہیں روح چھلنی ہو جاتی ہے۔
میں نے تمہارے بدن پر مرہم رکھنا چاہا....تو کیا غلط کیا؟
نہیں ...تم نے تکمیل تو کی مگر ہر جگہ میرے آنسوؤں کے دیئے جلتے ہیں۔
ادھورے خوابوں کی کرچیں پاؤں میں چبھتی ہیں۔
مجھے تو تم سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔
مگر میں تمہیں بہت کچھ دینا چاہتی ہوں.... جانے یہ کیسا رشتہ ہے جسے پہچان ملی مگر اعتماد نہ ملا...لہولہان برس ملے ... بھلا میرے ہونے سے خوشی کسے ملی ..؟
ہزاروں لوگوں کو جن کے لئے تمہارا وجود تمہاری آواز شفا ہوئی ہے۔
مگر کیا ان ہزاروں نے مجھے ایک لمحہ بھی سکون کا دیا؟
ہر کوئی اپنے آنسوؤں کی ندی لا کے میری گود میں بھر جاتا ہے یہ سوچے بغیر کہ میں سمندر نہیں سب جذب ہو جائے گا۔ مجھے نہ انسانوں کی کل پرکھ تھی نہ آج پہچان، میں تو شائید اس عہد کی ہوں ہی نہیں۔ کٹہرے میں کھڑے کھڑے میرے پاؤں شل ہو گئے ہیں۔ سوالوں کے جواب کہاں سے لاؤں؟
اپنے خلوص پہ یقین خود بھی نہیں رہا۔ محبت کا درس دیتی ہوں۔ اک تقسیم شدہ عورت... مجھے صدیوں کی پیاس ہے۔ اپنا چہرہ اجنبی دِکھتا ہے۔
محبت یا عشق کا دعویٰ مجھ کم ظرف کو زیب نہیں دیتا بھنور میں پھنسی ہوں کہ دلدل میں کچھ خبر نہیں۔ مٹی، پانی، آگ، ہوا سب ایک ہی لگتے ہیں۔ نہ آنکھ بھرتی ہے نہ میں سُکھالی ہوتی ہوں۔ پانی تلاشتی ہوں ... جانے میں کون ہوں؟ زندگی قدیم شے ہو جیسے...... بکھرے کاغذ کے ٹکڑوں کی مانند سمٹ نہ پائے گی۔
دُکھوں کی کتھا کس کو سناؤں.... کن رس کون ہے۔ غم گسار کون ہے؟
پاتال کی بچھڑی روح ہوں۔
بلندی کو دیکھنے کے لئے آنکھیں کہاں سے لاؤں؟

ابھی تو یہ یقین نہیں کہ سب خواب ہے یا سب سچ.....

آئینے کے مقابل خود ہوں یا پھر کوئی اور ہے۔حرف ضروری ہے کہ نہیں آواز چاہیے کہ نہیں ...؟

غبار ہے کہ سب کچھ صاف دکھتا ہے۔میں نے تو شاید خود سے بھی محبت نہیں کی تو پھر کسی اور سے چاہت کیسے ...؟

کہانی جھوٹ لگتی ہے یا پھر نظم پڑھی پڑھی لگتی ہے عجیب کنفیوژن ہے۔یہ زندگی کیسی زندگی ہے ...؟ جو کسی نے نہ دیکھی ہو گی، نہ سُنی اور نہ جانی ہو گی۔

بہت انوکھی ....سب سے جُدا....الگ... پراسرار۔

میری مٹھی میں جُگنو کی مانند تم چمکتی ہو.....میں جانے کیسے ایک ہی پل میں امیر ہو گئی ....۔ہاں تمہاری زندگی بھید بھری ہے۔ ہزاروں رنگوں کے لاکھوں شیڈز ہیں۔کس پل کا انتخاب کون کرے۔

تم صرف تم ہو....''تم'' یہی ہے تمہاری زندگی!

دیدار

یہ جنگ کیوں ہوتی ہے؟

جنگ بس ہو جاتی ہے۔

ہو جاتی ہے مگر کیوں اور کیسے؟

دراصل انسان کو اپنا لہو بہت عزیز ہوتا ہے اسی لئے وہ دوسروں کو لہولہان کرتا ہے۔

جنگ میں کیا صرف انسان لہولہان ہوتے ہیں؟

ہاں ...انسان بھی ...حیوان بھی .... بدن بھی اور روحیں بھی سبھی لہولہان ہوتے ہیں۔

سب سے زیادہ ظلم کس پر ہوتا ہے؟

ظلم ...ہونہہ ... سب سے زیادہ ظلم تو عورت پر ہوتا ہے اور اس زمین پر جو جرم کئے بغیر لہو کی عمر قید گزارتی ہے۔ بغیر خواہش کے اسکے بدن کو استعمال کیا جاتا ہے۔عورت کی طرح ....

لیکن یہ ظلم عورت پر ہی کیوں ہوتا ہے؟

کیونکہ وہی اس دُنیا کی سب سے سستی اور مہنگی شے ہے۔ اُس کی مانگ تو ہر دور میں رہی ہے مرد کی حیوانیت جاگتی ہے۔ مرد کا وجود عورت کی طرف بڑھتا ہے .... پھر .... بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔جس کے نتیجے میں عورت کا پیٹ بڑھتا ہے اور ناجائز اولاد ....۔

یہ ناجائز اولاد کیا ہوتی ہے؟

بس ناجائز اولاد ہوتی ہے سبھی ناجائز اولادیں بھی ہوتی ہیں اور جائز بھی کہلاتی ہیں۔

جب اپنی مرضی سے والدین کسی بھیڑیے کے ہاتھوں میں اپنی بیٹی دیتے ہیں تو اُن کی اولاد جائز ہو جاتی ہے۔ چند حرف پڑھ دینے سے عورت کے بدن پر ہاتھ مضبوط اور طاقت

جائز سمجھی جاتی ہے۔

سُنو ! اگر عورت اپنی مرضی سے کسی شخص کو اپنا آپ سونپ دے تو اُس کی اولاد نا جائز کیوں کہلاتی ہے۔ جبکہ عمل اور ردِعمل ایک سا ہوتا ہے پھر ایسا کیوں ہوتا ہے۔ کیوں؟

کبھی جبر کے نتیجے میں بھی یہ ناجائز اولاد وجود میں آتی ہے اور الزام صرف عورت سہتی ہے۔ تم نہیں سمجھو گی ان باتوں کو، یہ دُنیا والوں کی باتیں ہیں ان کے مطابق جائز اولاد اسوقت بھی جائز رہتی ہے جب .... جب ....؟ جب والدین کے ہوتے ہوئے وہ یتیموں جیسی زندگی گذارنے پہ مجبور ہو۔ جب کوئی چھت اُسے سہارا نہ دے تب.... خیر یہ تو بس یونہی کہنے کی باتیں ہیں۔ تمہیں پتہ ہے کہ مجھے انسانوں سے شدید نفرت ہے۔

نفرت ...مگر....وہ کیوں؟

کیا انسان جس طرح ایک دوسرے کو ہر لمحہ اذیت پہنچاتے ہیں یہ قابلِ محبت بات ہے؟

شاید نہیں ...مگر ہر انسان اپنے حق کے حصول کے لئے دوسرے کو دُکھ پہنچاتا ہے۔

ہاں اسی لئے کچھ لوگوں کے حق کہیں نہیں ہوتے۔ اُن کی زندگی کی کتاب میں تو صرف فرائض لکھے گئے ہیں۔ حقوق نہیں...حقوق دوسروں کے لئے اور فرض اُن کے لئے آخر یہ تضاد کیوں ہے۔ آخر کیوں؟

تم جھگڑتی کیوں ہو؟ ناراض کیوں ہوتی ہو؟

میں اگر جھگڑا نہ کروں ناراض نہ ہوں تو پھر بتاؤ اور کیا کروں۔ کیا میں اپنا کوئی درد بھی بیان نہیں کر سکتی کیا صرف دوسروں کے دُکھ سُنتی رہوں۔ دوسروں کو تسلی دیتی رہوں۔ دوسروں کے سر پہ ہاتھ رکھتی رہوں۔ دوسروں کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے میرے کاندھے دُکھنے لگے ہیں۔ چھلنی ہو گئے ہیں۔ میں تھکن سے چور وجود لئے آخر کہاں جاؤں...کس در کی کُنڈی کھڑکاؤں....کہاں جاؤں....میرے لیے تو کوئی بھی جگہ نہیں ہے۔ نہ دِلوں میں نہ ہی گھروں میں....نہ راستوں پہ....پھر کہاں جاؤں؟

کیا جہاں جہاں تم جاتی ہو۔ جن لوگوں کے پاس۔ کیا وہ بھی پناہ نہ دیں گے؟

ہاں پناہ شاید دے ہی دیں گے مگر کچھ دیر کے لئے۔ جتنی دیر ستانے کے لئے بھی کم ہو.... بہت ہی کم....اور وہ بھی میری ذات کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے۔ کچھ عرصہ کے

لئے جب تک اُن کی آنکھوں میں اپنے آنسو ہوں گے تب تک کے لئے....سب تو مجھے صرف اپنے لئے بلاتے ہیں۔ مجھے میری خاطر کون پکارتا ہے۔کوئی بھی تو نہیں ہے....کوئی بھی نہیں !

کیا کوئی بھی نہیں اور وہ سب جو تمہارے راستوں میں آتے ہیں وہ سب؟

وہ.... وہ سب اپنے لئے آتے ہیں۔ میرے لئے نہیں۔ میرے لئے تو کبھی بھی کوئی نہیں آیا۔

ایک مرتبہ میں نے سمجھا کہ کوئی میرے لئے آیا ہے مگر وہ ظالم بھی اپنی خاطر آیا تھا۔ سب اپنے لئے آتے ہیں۔

سب اپنے لئے آتے ہیں؟ تم کیوں سمجھتی ہو کہ کوئی بھی تمہارے لئے آئے گا۔

بس جی چاہتا ہے کہ کوئی تو آئے....کوئی تو....آ ہی جائے ناں۔

مگر آنے والوں کو تو تم خود ہی جھٹک دیتی ہو۔

میں...ارے...میں کہاں جھٹکتی ہوں۔ میں تو ابھی اُن کو ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں پاتی کہ وہ دوسرے لوگ بلکہ وہ سبھی لوگ انہیں مجھ سے دُور کھینچ لیتے ہیں۔

اگر تم دوبارہ کبھی انہیں دیکھو گی تو کیا پہچان لو گی؟

ہاں.....میں انہیں شناخت کر لوں گی۔

مگر کیسے...؟

ان سب کے سینے میں داغ ہوگا....گہرا...سیاہ داغ....جُدائی کا دُکھ کا داغ۔

کیا تم انسانوں کے دلوں میں جھانک سکتی ہو۔

ہاں میں انسانوں کو بہت دُور تک جان لیتی ہوں۔

حیرت ہے کہ تم انسانوں کے دِلوں میں جھانک سکتی ہو؟

کیا تم خُدا ہو؟

نہیں...میں خُدا نہیں مگر خُدا جیسی ہوں۔اس کی بہترین تخلیق ہوں۔

مگر یہ کیسے ممکن ہے؟

دیکھو ناں کتنے بہت سے انسان ہیں جو میرے سائے میں زندگی گزارتے ہیں اور میری دُعا پہ یقین رکھتے ہیں۔

وہ تو سب ٹھیک ہے مگر .....

مگر کیا؟

مگر خُدا تو آنسو نہیں بہاتا۔

پاگل .... بہاتا ہے اپنے اندر بھی اور اپنے باہر بھی ...

کیا خُدا روتا ہے؟

ہاں .... بارش اور سیلاب کیا ہیں ....بس وہ چیختا نہیں ہماری طرح بے بسی میں۔

اگر خُدا انہیں چیختا تو تم اُس روز کیوں چیخی تھیں؟

میں چیخی تھی ... کب ... کس کے سامنے؟

اُن چند لوگوں کے سامنے جو تمہارے بہت قریب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور تمہیں جانتے بھی ہیں۔

دعویٰ تو ہر شخص بہت آسانی سے کر سکتا ہے اور رہی بات جاننے کی تو یقین جانو کہ مجھے کوئی بھی نہیں جانتا...کوئی بھی نہیں۔

ہاں کوئی بھی مکمل طور پر نہیں جانتا ہوگا مگر کوئی کچھ تو جانتا ہوگا ناں؟

ہاں کچھ جاننے اور بہت کچھ جاننے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بہت واضح فرق۔

وہ لوگ میرے بارے میں بھی کچھ ضرور جانتے ہیں۔ بہت کچھ نہیں بھی جانتے۔ اتنا ہی جانتے ہیں جتنا جاننا میں اُن کے لئے ضروری سمجھتی ہوں۔ جتنا میں انہیں بتاتی ہوں اور بس!

تو کیا تم اپنے بارے میں سب کچھ نہیں بتاتیں؟

نہیں ....اسلئے کہ میں بتانا نہیں چاہتی اور اس لئے بھی کہ انہیں بتانے اور نہ بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اچھا اب یہ بحث چھوڑو تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اُس دن روئی کیوں تھیں اور اتنا کیوں چیخی تھیں؟

افوہ .... میں بھلا کسی ایک بات پر کب روتی ہوں میں تو ایک وقت میں ہزاروں لاکھوں باتوں پر روتی ہوں۔ کب؟

جب میں ہنستی ہوں اور جب مُسکراتی ہوں۔ جب لکھتی ہوں۔ جب پڑھتی ہوں۔

بس ہزاروں مرتبہ ...لاکھوں مرتبہ ...کروڑوں مرتبہ!

کیا جب تم گیت گاتی ہو تب بھی ... جب تصویر بناتی ہو تو ...؟

ہاں تب بھی ...تب بھی میں خاموشی سے رو رہی ہوتی ہوں۔

جب رقص کرتی ہو کیا تم اسوقت بھی رو رہی ہوتی ہو؟

ہاں میں دیوانگی کی حد تک روتی ہوں اور کیا تم مانو گی کہ میں یہاں بیٹھی اپنے اندر رقصِ مجذوب میں مصروف ہوتی ہوں اور نور کی بارش میں بھیگ رہی ہوتی ہوں۔

لیکن میں نے سُنا ہے کہ وہ تو خاص انداز اور خاص ماحول میں ہی کیا جاتا ہے۔

نہیں وہ ہر ماحول میں کیا جا سکتا ہے....بس روح کی پاکیزگی شرط ہے۔

سنا ہے اُس رقص کے دوران اکثر انسانوں کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔

ہاں...نور کی بارش حد سے زیادہ ہو تو انسان سہہ نہیں پاتا۔ ہم تھڑ دِلے ہیں ناں۔

کم ظرف لوگ ....تم نے سچ کہا کہ میں لحہ لحہ موت کا چہرہ دیکھتی ہوں۔

تمہیں اک بات بتاؤں ....کہ موت اندر باہر زندہ ہے میرے آس پاس میرے گرد۔

تم چالاک ہو فوراً بات بدل دیتی ہو۔

ہاں میں بھی بات بدل دیتی ہوں جیسے وہ روپ بدلتا ہے۔اور تم کیوں بھول جاتی ہو کہ میں مرتی رہتی ہوں ....میں مرتی رہتی ہوں۔

تم اُس روز کیوں چیخی تھیں؟

میں کیوں چیخی تھی ؟ اسلئے کہ چیخنا بھی ضرورت ہے۔ پتہ ہے اُس روز میں اپنے باہر پہلی مرتبہ چیخی تھی ...پہلی مرتبہ اور پھر میں اپنے اندر چھُپ کے بیٹھ گئی۔اپنی ذات میں گم ہو گئی تھی ۔میں تو خُدا نہیں ہوں ۔ ہاں خدا جیسی ہوں۔تنہا ہوں ...اُداس ہوں...اور جانے کیا کیا ہوں؟

تم خُدا جیسی ہو تو کیا قہار اور جبار بھی ہو؟

ہاں مگر میں خود پہ قہر ڈھاتی ہوں، اپنی جان پہ جبر کرتی ہوں اور اپنی ہی ذات پہ رحم کھاتی ہوں۔

کیا تم میں خدائی صفات ہیں؟

تمام تو ممکن ہی نہیں مگر ہاں بہت سی ہیں۔

کیا تم انسانوں کو زندہ اور مُردہ کر سکتی ہو؟

ہاں میرے بعض فیصلے، بعض جملے ایسے ہوتے ہیں جن سے انسان زندگی پاتے ہیں اور کبھی کبھی تو مر بھی جاتے ہیں۔

کیا تم سچ کہتی ہو؟

ہاں ہمیشہ سچ کہتی ہوں۔ جھوٹ اور منافقت سے نفرت کرتی ہوں۔ ان بری عادتوں سے پرہیز کرتی ہوں بلکہ ان بُری چیزوں کو عادت بنانے سے ہمیشہ احتراز کیا ہے اگر یہ باتیں میری عادتوں میں شامل نہ ہوتیں تو آج میں تم سے اس طرح بات نہ کر رہی ہوتی۔

تم اسطرح سے بات کیوں نہ کرتیں۔ میں نے تو ہمیشہ جھوٹے اور منافق لوگوں کو بہت اچھی گفتگو کرتے سُنا ہے۔

ضرور سُنا ہوگا مگر اچھی اور سچی گفتگو میں فرق ہوتا ہے۔ درمیان میں اک دیوار ہوتی ہے۔ ہونہہ ...مگر ایسی دیواریں لوگوں کو نظر کہاں آتی ہیں؟ نہیں نظر آتی ہیں انہیں جو دیکھنا ہی نہیں چاہتے اور جو دیکھنا چاہیں جو اس کی ضرورت محسوس کریں انہیں یہ تو کیا اس سے بہت باریک دیواریں بھی دکھائی دیتی ہیں بہت سہولت اور آسانی سے۔

تم دیواریں دیکھتی ہو؟

ہاں دیکھتی ہوں اور ان اونچی اونچی دیواروں میں میرا دم گھٹتا ہے۔ میرا دم گھٹتا ہے اور گھٹتا ہی چلا جاتا ہے۔ میں آکسیجن پکارنا چاہتی ہوں تو حرف کھو جاتے ہیں۔

تمہارا دم تو اکثر گھٹتا ہے پھر یہ بات کیوں کہتی ہو؟

میں یہ بات اس لئے کہتی ہوں کہ تم اس کو نہیں جانتیں۔ تمہیں کیا خبر کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میرا دم گھٹتا ہے تو کیا محسوس ہوتا ہے۔ ہائے میری سانس رُکتی ہے۔ اُکھڑتی ہے میری سانس کی ڈوری.... ہائے ....کوئی نہیں جانتا....کسی کو بھی تو معلوم نہیں کہ میرا دم کیوں گھٹتا ہے ...کیوں؟

تو تم خود ہی بتاؤ ناں؟

نہیں میں کیوں بتاؤں اور کیسے ....؟ آخر کیوں؟ سب جانتے ہیں اور نہیں جانتے۔

سب سمجھتے ہیں اور نہیں سمجھنا چاہتے اور پھر میں تمام باتیں بتاتی ہی کب ہوں؟ اگر کبھی کسی لمحے کسی کو میرے دُکھ کی شدت کا اندازہ ہو جائے تو اسے علم ہوگا کہ میرے عذاب کتنے ہیں۔ اذیت کس طرح میری جان سے گزرتی ہے تو یہ بات کوئی چھاتی بھی برداشت نہ کر سکے گی اور پھر .... پھر تم سب کا دم گھٹنے لگے گا۔ تم سب بھی مر جاؤ گے۔ تب ہر طرف موت پھیل جائے گی۔

تمہیں تو موت اچھی لگتی ہے۔ پھر تم دوسروں کی موت پہ غمگین کیوں ہوتی ہو؟

اسلئے کہ موت کی اذیت سے واقف ہوں۔ میں نے لاکھوں موتیں جھیلی ہیں میں ہرگز نہیں چاہتی کہ کوئی دوسرا انسان بھی اسی تجربے سے گزرے۔

لیکن بھٹی میں داخل ہونے والا تو کندن بن کے نکلتا ہے پھر تم .... کیا تم خود غرض ہو؟

ہاں میں ہمیشہ دوسروں کو دُکھوں سے بچاتی آئی ہوں۔ خُدا نہ کرے کوئی اور بھی انہی راستوں سے گزرے جن پہ میرے پیروں کے آبلے پھوٹے ہیں۔ میں کھائیوں میں گرتے گرتے تھک گئی ہوں۔ پہلے پہل میں کھائی میں گر جاتی تھی پھر پتہ چلتا تھا کہ ڈھے گئی ہوں۔ اب گرنے سے پہلے ہی دُور سے دیکھ کے نشان لگا لیتی ہوں کہ کس مقام پر کھائی ہے۔

تم شعور کی دولت پا کر خوش نہیں ہوتی کیا؟

بس بہت دیکھ لیا ہے۔ بہت جان لیا ہے اتنا کہ اب آنکھیں بند کر لینے کو جی چاہتا ہے۔

میری تو آنکھیں بھی اب احتجاج کرنے لگی ہیں۔ اتنے سُرخ مناظر دیکھے ہیں کہ اب میری آنکھیں بھی لہو رنگ ہو گئی ہیں۔

تمہاری آنکھیں تو شاید کالے یا پھر بھورے رنگ کی ہیں۔

ہاں دوسروں کو یہی رنگ نظر آتے ہیں مگر مجھے تو اپنا سارا وجود سُرخ رنگ میں ڈوبا نظر آتا ہے۔ اور میں اپنے دیکھے کو ہی سچ مانتی اور کہتی ہوں۔

لیکن کبھی کبھی تو دیکھا سُنا بھی غلط ہو جاتا ہے۔

ہاں کبھی کبھی .... مگر جب دیکھا سُنا صحیح ہو جائے تو میرا دم گھٹتا ہے۔ اپنے آپ سے میلوں دُور بھاگنے کو جی چاہتا ہے اور جب کوئی راستہ مجھے نظر نہیں آتا تو میرا دم بہت شدت سے گھٹتا ہے۔ دم گھٹتا ہے۔

تم نے کبھی سانسوں کی مختصر مہلت کو نہیں جانا ورنہ علم ہوتا کہ مصنوعی نظام تنفس کیوں

ضروری ہے۔ Inhalor کیوں لینا پڑتا ہے۔ پف لے کر سمجھنا کہ اک گھونٹ سانس جینے کو مل رہی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے اور تم تو یہ بھی نہیں جانتیں کہ Ventilator کے معنی کیا ہیں؟

ان آتی جاتی سانسوں سے پیاروں کی سانسیں چلتی ہیں ورنہ سکوت۔ خاموشی اور سینے تک ڈھکی چادر حسین چہرے کو چھپانے کے کام آ جاتی ہے۔ پھر سب لوگ چہرہ تکنے آتے ہیں۔ بگل بجتا ہے۔ بس آخری دیدار۔

محبوب کا آخری دیدار عاشق کی موت سے کچھ کم تو نہیں ہوتا۔ مجھے لگتا ہے جیسے ہم سب اُس پاک چہرے کو اپنی غلیظ آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر وحشت میں ناپاک کرنے لگتے ہیں۔ اور پھر مٹی کے نیچے خود کو دھکیلنے پر وہ مجبور ہو جاتا ہے۔ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوا کرتی۔ پھر پاکیزگی کے بغیر دیدار کیسے ممکن ہے؟

مٹی تو پاک ہوتی ہے ناں جبھی تیمّم اُس سے کیا جاتا ہے۔ پھر تاریک قبر میں اُجلی روحوں کو قید کر کے ہم خودغرض انسان اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔ اگر بتی اور پھولوں سے ہم خود کو بہلاتے ہیں.... صرف خود کو ورنہ انہیں اس کی کہاں ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے لئے دعاؤں کے ادھورے حرف اور چند گھونٹ آنسوؤں کی پیاس کافی ہے۔ پہلے روز ملاقات پھر جمعرات.... پھر چہلم ... پھر مہینوں بعد ... دن تہواروں کے نام پر اور پھر برسوں غفلت کی چُپ میں زندگی بسر کر دیتے ہیں۔ یہ ہے معاوضہ محبت کا۔ برسیاں بنا بتائے ہی خاموشی سے گزر جاتی ہیں۔

ہم نے دیدار کی قیمت بھی رکھی تو کیا.... مگر شکوہ کرنے والے لب خاموشی سے حیرت سے تکتے ہیں۔ اس دن کے انتظار میں جب وہ خراج لیں گے اپنا لہو..... تب ہم کیا کریں گے.... روزِ محشر کیا کہیں گے...؟

اُن کو دیدارِ یار ہوتا ہے
جس سے خود اُن کو پیار ہوتا ہے
آپؐ ملتے ہیں خود اُن سے
جن کا سینہ فِگار ہوتا ہے

برزخ

کہو فلک سے
بس کر تماشہ ہم سے
اب نہیں ضبط کا بند
اب نہ وہ ڈالے کمند
اب نہ پھر سے ہمیں شکار کرے
ہم تو دلدل میں دھنسے فرد ہیں
اپنی ہستی پہ کیا ہمیں اختیار
جانِ من ، جانِ جہاں
چھین لے مجھ سے اب یہ اپنا جہاں
اب نہیں اور سکت
ہم تو آزمائش کی بھٹی کے جنے کوزے ہیں
اب کسی اور تصویر میں ڈھلنے کے نہیں
ہم زمانے ہیں
مگر گزرنے کے نہیں
ہم بسر ہو بھی چکے
اب ہمارے خال و خد بھی
لمحوں کے حافظوں سے محو ہوئے

ہم تو بے مصرف ہی صرف ہوئے
رائیگاں ہوتی ثقافت
معیشت کے پیروں تلے
روندی چیونٹی کی مانند
ہم کب کے مر بھی چکے
لیکن برزخ ہمارا اختتام!

تم پہلی مرتبہ کب مسکرائی تھیں؟

پہلی مرتبہ... بہت پرانی بات ہے۔شاید بچپن کی بات جب میرے ماتھے پہ بوسہ دیا گیا تھا۔ یا پھر جب پہلا کھلونا ہاتھ آیا تھا۔

اور آخری مرتبہ؟

آخری مرتبہ... جب دُکھ نے میرے سر پہ ہاتھ رکھا تھا تب مُسکرائی تھی اور پھر میں نے رونا بلکہ مسلسل رونا سیکھ لیا تھا۔

اوہ! تو کیا تمہیں روتے ہوئے سارا بچپن اور جوانی لگ گئی۔

ہاں ....بچپن اور جوانی لگ گئی جسطرح لوگوں کو نظر لگ جاتی ہے ناں اسی طرح مجھے بھی خواہشوں کی نظر لگ گئی اور پھر ساری زندگی لمحہ لمحہ میں لہو سے اپنی نظر اتارتی رہی۔تم جانتی ہو میں ....مگر تم کچھ نہیں جانتیں جسطرح کوئی دوسرا شخص نہیں جانتا کہ میں کیا سوچتی ہوں؟ کیا کرتی ہوں؟ کیوں کرتی ہوں؟

چلو تم خود ہی بتاؤ کہ تم کیا سوچتی رہتی ہو؟

یہ سوچتی ہوں کہ ....مگر میں کوئی ایک بات کہاں سوچتی ہوں۔ میں تو ہزاروں لاکھوں باتیں سوچتی ہوں جیسے سب لوگ ظاہر پہ ہی کیوں جاتے ہیں۔جسم کو ہی کیوں دیکھتے ہیں؟ دل اور روح کو کیوں نہیں جاننے کی کوشش کرتے۔آخر کوئی تو ایسا بھی ہونا چاہیے جو آپ کے ظاہری حُسن سے متاثر نہ ہو بلکہ آپ کے اندر جھانک کے دیکھ سکے کہ آپ کتنے تنہا اور اُداس ہیں۔آپ کی خواہشات کے بارے میں جانے مگر ہاں کوئی بھی کسی کے بارے میں آخر

کیسے جان سکتا ہے اور پھر مکمل طور پر کسی شخص کو جاننا کسقدر دشوار ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ آپ کے اندر کیا ہے؟ کیوں ہے؟ زندگی کا ہر لمحہ اپنے پیچھے ایک بڑا سوال چھوڑ کر آگے چلا جاتا ہے۔ آگے اور آگے اور بہت آگے اور آپ گھنے جنگلوں سے گذرتے چلے جاتے ہیں۔ آہستگی سے چپ چاپ، چُپ چاپ مگر اس چاپ کی چاپ بھی کوئی نہیں سنتا۔ وہ بھی نہیں جو دعوے کرتے ہیں، وہ بھی نہیں جو کچھ نہیں کہتے اور پھر ہر آواز سُننے کے لئے نہیں ہوتی جس طرح ہر آواز سنائی جانے والی نہیں ہوتی۔ ارے ...لو .... میں بھی کیسی باتیں کرنے لگی ہوں تم تو شاید سن ہی نہیں رہی ....اگر سنتی ہو تو پھر سمجھتی نہیں مگر میرا جی چاہتا ہے کہ تم میری باتیں سنو اور سمجھو ...

آخر کوئی تو ہو جو میرے علاوہ بھی میری بات سُنے، سمجھے۔ مجھے سمجھے، جانے، پہچانے ...کوئی تو ہو!

آخر تم سمجھانا کیا چاہتی ہو؟

میں کیا سمجھانا چاہتی ہوں۔ میں تو ہزاروں لاکھوں باتیں سمجھانا چاہتی ہوں یا پھر کوئی بھی بات سمجھانا نہیں چاہتی۔ عجب مشکل میں ہوں ...تذبذب ہے ...بے چینی ہے ....!

یہ تم کیسی باتیں کرتی ہو؟ الجھی الجھی ...سمجھ میں نہ آنے والی باتیں۔

چلو ....پھر ایک سمجھ میں آنے والی بات بتاتی ہوں۔ بہت پہلے کی بات ہے۔

کتنے پہلے کی؟

شاید برسوں پرانی ...صدیوں پرانی ... چند دن پرانی ... چند گھنٹوں پرانی یا پھر کچھ منٹ پرانی بات ہو مگر عرصے سے کیا ہوتا ہے؟ بھلا ہم عمروں کو برسوں سے کیوں ماپتے ہیں۔ ہم عمروں کو تجربوں سے کیوں نہیں ناپتے۔ ہم اپنے پیمانے کیوں نہیں تبدیل کرتے؟ ان گھسے پٹے ہندسوں پر چلتے چلے جائیں گے ...جانے کب تک؟

یہ ہندسے کیا ہوتے ہیں؟

ہندسے صفر سے ایک دو تین سے لے کر لاکھ کروڑ تک زندہ ہوتے ہیں۔

یہ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟

بس یونہی۔ دائروں میں سفر کرنے کا نام ہندسہ ہی تو ہے۔ صفر بڑھاتے جاؤ ہندسے بھی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے پیچھے کبھی تو بہت کچھ چھوڑ جاتے ہیں اور کبھی

کچھ بھی نہیں۔ ہند سے دراصل کائنات میں پھیلی ہوئی وہ رقم ہے وہ دولت ہے جو مخصوص ہاتھوں میں رہتی ہے اور باقی ہاتھ خالی ہی رہتے ہیں۔

خالی ہاتھ سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

وہ ہاتھ جن پر کئی لکیریں ہوں مگر اس خوش بختی کی لکیر پڑھی نہ جا سکے۔نظر نہ آسکے۔ہاتھ، ہاتھ سے باتیں کرتے ہیں۔محبت سے تو کبھی نفرت سے جُدا ہوتے ہیں اور اپنے سینے میں کینہ پالتے ہیں۔کبھی ان ہاتھوں میں پھول ہوتے ہیں۔کبھی ہتھیلی لہو کے رنگ میں رنگی ہوتی ہے۔کبھی یہ ہاتھ دوسرے کا لہو بہاتے ہیں اور کبھی اپنا....!

کیا کوئی اپنا لہو بہاتا ہے؟

ہاں جب کوئی شخص دوسروں کا درد کرے اُن کا بہت خیال رکھنے لگے تو اپنا خیال رکھنا یاد نہیں رہتا بلکہ بعض اوقات تو خود کو بھلانا پڑتا ہے تاکہ دوسروں کو دُکھ نہ ملے۔اذیت نہ ملے۔

یہ اذیت کیا ہوتی ہے؟

اذیت ایک بہت بڑا لفظ ہے۔حرفِ عظیم ہے۔اس کی چھاتی میں دُکھوں کا کینسر ہے کینسر۔میں اذیت کی جائی ہوں۔تم سُنتی ہو ناں کہ میں اذیت کی جائی ہوں اور اُداسی کی تپتی دوپہر میں پیدا ہوئی ہوں۔

کیا تم پیدا ہوئی تھیں؟

ہاں میں پیدا ہوتے ہی مر گئی تھی اور تب سے اب تک لاکھوں مرتبہ مر چکی ہوں۔

کیا تمہیں موت پسند ہے؟

ہاں مجھے موت پسند ہے۔مگر کیسی موت ...ٹھہرو! مجھے کچھ سوچنے دو۔میں تو موت میں ہی رہتی ہوں۔میری زندگی کے ساتھ ایک ہی نام لکھا ہے۔''موت'' اور میں مُردہ خانم ہوں۔

کیسا عجیب نام ہے''مردہ خانم'' !

ہاں تم اسے مُردہ خانہ بھی کہہ سکتی ہو۔

ہائے! اس نام میں تو بہت دُکھ ہے۔

جانتی ہو اس نام سے تو میری روح اب تک کانپ رہی ہے۔میری روح برسوں سے کانپ رہی ہے۔میں برسوں سے کئی وجوہات کی بنا پر کانپتی ہوں.... ہاں میں کانپتی ہوں۔

تم کانپتی کیوں ہو؟

اسلئے کہ میں دھرتی ہوں وہ زمین ہوں جو لاکھوں دُکھوں سے کانپتی ہے اور کسی کو اپنا درد نہیں کہہ سکتی۔

کسی کو اپنا درد کیوں نہیں کہہ سکتی ؟

اجازت نہیں ہے اور میری زبان بھی پیاسی ہے ....صحرا کی پیاس تم نہیں جانتیں اسلئے اس کی شدت سے واقف نہیں ہو۔ جب میں پیدا ہوئی تھی تب سے اب تک پانی کا قطرہ بھی کسی نے میری روح میں نہیں ٹپکایا۔ میری زبان پہ کانٹے چبھتے ہیں اور میرے خشک سفید ہونٹوں سے لہو رستا ہے۔

صرف ہونٹوں سے؟

نہیں میرے جسم سے میری روح سے لہو کے فوارے پھوٹتے ہیں اور میں اندر باہر سے سُرخ لہو کے رنگ میں رنگی گئی ہوں ...جی چاہتا ہے کہ میں اپنا نام ''سُرخ بانو'' رکھ لوں۔

تمہیں یہ رنگ بہت پسند ہے؟

ہاں اپنے نام کی طرح اس رنگ میں بھی حدت اور شدت محسوس ہوتی ہے۔اس رنگ میں موت ہے۔اذیت ہے۔دُکھ ہے اور تڑپ بھی ہے ....تڑپ!

میں مجبوراً تمہاری بات کاٹتی ہوں ...سنو! کچھ دیر پہلے تو تم نے کہا تھا کہ تمہارا نام...؟

ہاں .. ہاں ...کبھی سوچتی ہوں ''سُرخ بانو'' رکھوں اور کبھی ''مُردہ خانم''۔

کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں بھی ہر لمحہ نئی موت آتی ہو ... نیا چہرہ ...نئی روح .. نیا عذاب اور میں اِن مُردہ انسانوں سے بھی نہیں ڈرتی۔

مگر مجھے تو ڈر لگتا ہے ...دیکھو....سونگھو ...محسوس کرو....کافور کی بو پھیل گئی ہے۔

سونگھو تو سہی اس کافور کی بو کو....؟

تم پاگل ہو نا...اسی لئے تو خوشبو کو بو کہتی ہو۔مُردہ انسان تمہیں کسی نئے امتحان میں نہیں ڈالتے اور یہ زندہ انسان تو امتحانوں کی سُلگتی بھٹی میں بار بار جھونکتے ہیں۔حتیٰ کہ شعلے کی لپٹوں سے تمہارا بدن اور روح جل جاتی ہے مگر وہ لوگ پھر بھی مطمئن نہیں ہوتے اور یہ جو دوزخ ہے ناں یہ بھی تو ایسی دُنیا ہی ہے ...

تو کیا میں جیتے جی دوزخ میں ہوں۔

کیا میں اور مجھ ایسے سارے دوزخ میں ہی زندہ نہیں ہیں۔

کیا دوزخ ایسا ہو گا؟

اور کیسا ہو گا؟ بلکہ کبھی کبھی تو یوں لگتا ہے جیسے میں عالمِ برزخ میں ہوں۔ انتظار گاہ میں بیٹھی ہوں کہ کب جانے کی پرچی ملے۔ میں اس انتظار سے تھک گئی ہوں.... بلکہ بہت خوفزدہ ہوتی ہوں... بہت ڈرتی ہوں۔

تم خوفزدہ کیوں ہوتی ہو؟

ہم سب ہی خوفزدہ ہوتے ہیں۔ خوف کے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں۔ خوف کے مکان میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ خوف کے صحن میں چلتے پھرتے ہیں اور خوف کی سڑک پہ سسک سسک کے آخر ایک دن دم توڑ دیتے ہیں۔ بس یہی ہے زندگی۔ کبھی اپنا خوف ... کبھی کسی شے کا خوف .... کبھی خُدا کا خوف .... کبھی خُدا کے بندوں کا خوف ... کبھی معاشرے کا خوف ... کبھی زندگی کا خوف ... اور کبھی موت کا خوف۔

اگر اتنے بہت سے خوف ہیں تو تم زندہ کیسے ہو؟

بس عادت ہو جاتی ہے۔

عادت کیسے ہوتی ہے؟

جیسے سگریٹ کی چائے کی کافی کی عادت ہو جاتی ہے ویسے ہی انسانوں کی، رشتوں کی اور پھر اس خوف کی بھی عادت ہو جاتی ہے۔

کیا موت کی بھی عادت بن سکتی ہے؟

ہاں ... موت پہلے پہل تو نئی اور پراسرار دُنیا لگتی ہے جو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔ اس سے ڈر بھی لگتا ہے مگر پھر آہستہ آہستہ بار بار مرنے کی عادت سی ہو جاتی ہے پھر یہ مجبوری بن جاتی ہے۔ لوگ بھی زبردستی یہ عادت ڈال دیتے ہیں۔

لوگ کیسے عادت ڈال دیتے ہیں؟

بار بار مارنے سے... ہر مرتبہ نئے انداز سے نئے ہتھیار سے مارتے ہیں۔ جب عادت ہو جائے تو انسان چیخنا چلانا چھوڑ دیتا ہے۔ احتجاج کرنا بھی بالآخر چھوڑ دیتا ہے۔ جیسے

ہمیں ظلم سہنے کی عادت ہوگئی ہے اب ہم ہر نئے ظلم کو بہت آسانی سے سہہ بھی لیتے ہیں بلکہ مسکرا کر ایک دوسرے سے نئے ظلم کا تعارف بھی کرواتے ہیں۔کیا ظلم کسی انسان کا نام ہے؟

ظلم انسان کا نام بھی ہے۔کائنات کا بھی....انسانی رویوں کا بھی اور خدا کا نام بھی ظلم ہے۔

مگر خُدا کو تو تم مہربان کہتی ہو۔

وہ بھی کہتی ہوں جس طرح خونی رشتے مہربان ہوتے ہوئے ظالم ہوتے ہیں ایسے خدا بھی ہے۔انسان چونکہ آغاز ہی سے خدا سے جھگڑتا آ رہا ہے۔نادان بچے کی طرح ضد کرتا آ رہا ہے سو ضد میں آ کر کبھی کبھی اُس کے نقشِ قدم پر چلنے کی اداکاری بھی کر لیتا ہے۔

خُدا تو نظر نہیں آتا پھر اُس کا نقشِ قدم کیسے ہو سکتا ہے؟

دراصل خدا کا نقشِ قدم ہم نے الہامی کتابوں میں کہیں کہیں دیکھا ہے۔

کہاں اور کیسے دیکھا ہے؟

لفظ تو بہت کچھ سُنا سمجھا سکتے ہیں۔لفظ عکس بندی کے فن سے لاعلم ہیں انہوں نے تو اس کی تربیت بھی حاصل نہیں کی۔ہاں مگر کہیں کہیں ہم اپنے اندازے سے اور قوتِ متخیلہ سے کام لیتے ہوئے بہت کچھ دیکھ لیتے ہیں۔

مگر خُدا نے تو پڑھنے کو کہا تھا اقراء پڑھ!

پڑھنے کو ضرور کہا تھا مگر بعد میں اُس نے حرف کو کیمرے کی آنکھ ہی دے دی۔

کب دی؟ میں تو نہیں دیکھا؟

افوہ! بھئی کبھی کبھی کچھ دیر کے لئے جب وہ نہایت مہربان ہوتا ہے تو انسان کو دنیا کا عجب نظارہ دکھاتا ہے۔کیسے؟

تم نے کبھی کسی مجذوب سے حق سُنا ہے یا جب اُس کی رگ رگ سے صدا آتی ہے اور وہ مرغِ بِسمل کی طرح تڑپتا ہے۔تو ہی تو کا گیت گاتا ہے۔توں ربّ میرا...توں ربّ میرا پکارتا ہے۔پکارتا ہی چلا جاتا ہے۔اس کی سانس میں وہ رچ بس جاتا ہے اور وہ بیخودی میں کھو جاتا ہے۔تب ہر جانب مستی کی خوشبو پھیل جاتی ہے۔تم نے کبھی منصور کا نام سُنا ہے۔اُس نے بھی تو انا الحق کا نعرہ لگایا تھا مگر ہر وقت کے نادانوں نے حق کو باطل ہی سمجھا۔ہمیشہ وقت کے

بعد علم ہوتا ہے کہ ہمارے بیچ سچ تھا۔مگر جب وہ تھا تب کسی نے اُسے کبھی تسلیم نہیں کیا۔سرمد کو بھی سولی کا تحفہ ملا۔ ہرحق کا خون ناحق بہایا گیا.... بعد میں اُسی کی تعریف و توصیف کی گئی۔اُسے مان لیا گیا۔لہو کا نذرانہ دینا ہوتا ہے۔کبھی کبھی تو اقبال کے کلام میں بھی خُدا بولتا ہے اور ہاں تمام صوفیاء اولیاء قلندر سبھی کی ریاضت اور عبادت نے من و تو کے بیچ فاصلہ ختم کر دیا۔آنے والی نسلوں پہ احسان کیا اور ہم احسان فراموش ہی رہے۔

تم اگر دیکھنا چاہو تو گرونانک اور بُدھا میں بھی اُسی چہرے کی جھلک ہے۔کیا تم نے اُس کا چہرہ نہیں دیکھا؟

کس کا چہرہ؟

وہی جو خود کو خالقِ حقیقی جانتا اور ہم سب اُسے مانتے ہیں کہ ہر شے میں اُسی کا جلوہ اور نور ہے۔اُسی کی پاکی ہے۔وہ رحیم و کریم ہے اور ہم خطا کار۔

تم کیا کہتی ہو؟

میں کیا کہتی ہوں؟ دیکھو کچھ لوگوں کے لئے وہ زندہ تھا... ہے ....اور رہے گا۔کسی کے لئے وہ کبھی کبھی نہیں بھی ہوتا شاید نہیں رہتا.... جانے کیوں؟

کیسے اور کن لوگوں کے لئے؟

یہ سب بتانے سے پہلے تمہیں یہ بتا دوں کہ وہ جبار اور قہار بھی ہے۔اس کی جمالی صفات زیادہ اور جلالی بہت کم ہیں ....کہ وہ ربّ اللعالمین ہے۔مگر کچھ لوگ اب بھی اس کے وجود سے منکر ہوئے رہتے ہیں کہ وہ اسے ایک خاص نظر سے دیکھتے ہیں سیاہ چشمے سے اُجلا منظر نہیں دکھتا ناں۔

تم اُسے کس نگاہ سے دیکھتی ہو۔

محبت کی نگاہ سے .... عاجزی کی نگاہ سے .... وہ کہتا ہے کہ جیسا گمان کریں وہ ویسا ہے۔میں مثبت سوچتی ہوں کہ وہ تمام حسن اور خوبیاں لئے ہوئے ہے۔

سنو! جن پر آزمائشیں آتی چلی جاتی ہیں۔جن کے امتحان کبھی ختم نہیں ہوتے۔ان کے لئے وہ وجود رکھتے ہوئے بھی اُن کا نہیں ہوتا۔کیا اُس ماں کے لئے خُدا زندہ ہے جس کی جوان اولاد اُس کے سامنے قتل ہوئی یا جوان بیٹی کی آبرو لوٹی گئی۔کیا اُس عورت کے لئے خُدا

زندہ ہے جو برسوں سے بانجھ ہے یا بیاہ کی پہلی رات ہی طلاق کا جھومر لئے میکے کی دہلیز پہ لوٹ آئی ہو یا جو ساری عمر کنواری بیٹھی رہے کسی رشتے کی آس لئے۔ جو بنا جرم سزا کاٹتے ہیں عمر بھر کی سزا اُن کا خدا کہاں ہوتا ہے؟ جس بچے نے یتیمی کی جھلستی دھوپ میں آنکھ کھولی... خدا تو خدا ہے وہ اس کا باپ کیسے ہوسکتا ہے۔ جو بچے والدین کے ہوتے ہوئے یتیم مسکین ہو جائیں ان کا دُکھ تم نہیں جانتیں۔ کیا سہاگن چند دنوں کی بیوگی کی سفید چادر اوڑھ کر اُس مالک کو رحم کرنے والا اور نہایت مہربان کہہ سکتی ہے؟

وہ رحیم کریم ہے مگر جن کے لئے غربت اور مفلسی میں گزرتی زندگیاں ہوں ....کیا وہ انسان زندہ رہتے ہیں۔

جن کا اچھا وقت کبھی نہ آیا ہو۔ جن کے حصے کا لمحہ چُرا لیا گیا ہو یا پھر کھو گیا ہو۔ جو اپنی مرضی کی ایک سانس کے لئے ساری عمر ترستے رہے اور قحط سالی، چٹختی زمین اور بدن...... کیا ان کے لب خدا کا ذکر کر سکتے ہیں؟

مگر ہاں اس کی مرضی ہے جسے نوازے۔ جس سے جو کچھ چھیننا چاہے۔ چاہے تو سبھی کچھ چھین لے۔ ہم سب اُس کی امانتیں ہیں جو اُسے واپس لینا ہیں پھر ہم کیسے مُکر سکتے ہیں۔

کیا ہر مرضی میں اُس کی مرضی شامل ہوتی ہے؟

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی مرضی میں اس کی مرضی شامل نہیں ہوتی۔

مگر جب وہ کہتا ہے کہ تم لوگ اُس کی مرضی پر چلو تو تم انسان کیوں نہیں چلتے؟

ہم تھک بھی تو جاتے ہیں۔ ہمارا بھی جی چاہتا ہے کہ اُس کے پیچھے نہ چلیں... اپنے پیچھے بھی چل کر دیکھیں۔

کیا کوئی اپنے پیچھے بھی چل سکتا ہے؟

چل تو نہیں سکتا مگر چلنے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ نفس کے گھوڑے پہ سوار انسان سرپٹ بھاگتا ہے۔

تم سب نفس کے اسیر کیوں ہو....اس کی سمت کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟

کوشش بھی کرتے ہیں مگر اس صراطِ مستقیم تک پہنچنے کے لئے بہت سی گھمن گھیریوں کا فریب ہے۔ ہم اسمیں الجھ جاتے ہیں۔ الجھتے چلے جاتے ہیں اور مرن کنارے جا کر کہیں

پہلا قدم صحیح راستے پہ رکھتے ہیں۔اب اسمیں ہمارا کیا قصور...؟ جب سب کچھ پہلے سے طے ہےتو ہم کیا کریں۔

کہتے ہیں دُعا تقدیر بدل دیتی ہے۔

ہاں سنا ہے ...مگر میرے لئے ہاتھ کیوں اُٹھیں گے؟

کیونکہ تم اچھی ہو بہت....!

ہاں بہت اچھا ہونا بھی تکلیف دیتا ہےلوگ اسقدر نقل دیکھتے ہیں کہ اصل کو بھی نقل ہی مانتے ہیں پھر میں اپنے اندر جیسے مر جاتی ہوں۔بجھ جاتی ہوں۔ میں کچھ بھی ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتی پھر اس سے فرق بھی کہاں پڑتا ہے ....کسی زندگی میں کچھ نہیں ہوتا۔

تم مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہو؟

تا کہ کہیں کوئی آس ملے .....تاریکی کے بعد اُجالا آتا ہے۔

تم ایک کوشش تو کر ہی سکتی ہو۔خوش رہنے کی کوشش۔

میں یہ کوشش بہت مرتبہ کر چکی ہوں۔اب جان گئی ہوں کہ میں خوش نہیں رہ سکتی۔

کبھی انسان راستہ روک لیتے ہیں اور کبھی خدا ..کبھی میں خود ہی اپنے راستے پہ کھڑی ہو جاتی ہوں۔

تم خود...؟ کیا تم خود اپنی دشمن ہو؟

ہاں میں بھی اپنی دشمن ہوں۔ اصل دشمنی انسان خود اپنے ساتھ کرتا ہے اور الزام دوسروں کو دیتا ہے۔کل کو ہمارے ہی اعضاء ہمارے خلاف گواہ ہوں گے اور ہمارے پاس سچ ماننے کے سوا کوئی راستہ نہ ہوگا۔میں آپ اپنی دشمن ہوں ....اپنی دشمن آپ!

اپنی دشمن؟

آہ...اپنی دشمن!

لیکن دوست اور دشمن کے بیچ فاصلہ کتنا ہے؟

دونوں روپ شاید ایک ہی ہیں یا پھر ایک کے پیچھے دوسرا چھپا بیٹھا ہے۔

کبھی کوئی سامنے آ جاتا ہےتو کبھی کوئی ....کس سے کون ٹکرے اور کیونکر؟ مجھے ان دونوں سے محبت ہے کہ دونوں میرے ہی وجود کا حصّہ ہیں۔ دونوں میرے اپنے چہرے ہیں۔

میرے اپنے ہاتھوں کے بنے .... میں بھلا ان سے جُدا کیسے رہوں ....؟ رہ نہ پاؤں گی ....مر جاؤں گی یا پھر جیئے چلی جاؤں گی۔

لیکن کسی بات سے کہاں کوئی فرق پڑتا ہے۔ انتظار گاہ میں آنے والا نتیجہ نہ خوشی دیتا ہے نہ غم۔

بس سپردگی .... ہر حال میں سپردگی .....جی ہاں جناب......جوحکم عالم پناہ.....

کہ ہمارے مالک ہیں آپ .... جو چاہیں سلوک کریں....جیسا چاہیں نصیب کریں۔

جیسا نتیجہ چاہے ہاتھ میں تھما دیں ....بس کارڈ لے کر اُس دروازے کو تلاشنا ہے جو اک نئی منزل کی جانب کھلتا ہے۔

جس میں جو مالک نے چاہا لکھا.....ہم نے صرف بھگتنا ہے ...ہم نے صرف بھگتنا ہے اور بس ...جانے کب تک اس عالمِ برزخ میں رہنا ہے ...جانے کب تک؟

کتابِ زیست کے لمحے الٹتی جاتی ہوں
ہر اِک بازی خود ہی پلٹتی جاتی ہوں

بے بصر

ہتھیلی پہ دھری ہیں اپنی دو آنکھیں
وہ آ کر چھین لے گا خواب سارے

تم کبھی وقت پر چیزوں کو کیوں نہیں دیکھتیں؟
بے بصر جو ٹھہری
کیا بصیرت، بصارت سے مشروط ہے؟
ہرگز نہیں
تم نے کب جانا کہ تمہاری نظر کمزور ہے؟
پے در پے ٹھوکروں سے خبر ہوئی
کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنا تھا۔

ہونہہ .... میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ اصل ڈاکٹر کون ہے۔ خالص وید اب کہاں رہے؟ راہبر کے بھیس میں راہزن جو ملتے ہیں۔ان کی بے رحم نگاہیں زانی ہیں اور پھر ڈاکٹر کی فیس کون بھرے؟

ارے ...اسقدر دنیاوی بات۔ساری عمر محنت کی ہے تم نے۔

ہاں ... یہی تو افسوس ہے کہ کام کے سوا کسی شے کا معاوضہ نہیں لیا مگر سب لا حاصل...محنت سے رزق نہیں ملتا۔تو پھر...؟

رزق تو مقدر سے ملتا ہے۔شہر بدلنے سے بھی نصیب نہیں بدلتا۔

مگر میں نے تو سُنا تھا کہ سمندر پار کریں تو بہت سی مشکلیں آسان ہوا کرتی ہیں۔
شاید...اب فاصلے سمٹ گئے ہیں اور جانے سمندر کا استعارہ کیا ہے؟
مشکلیں تو اپنے وقت پر ہی ختم ہوتی ہیں۔آسانی کا لمحہ میں نہیں جانتی۔سب کچھ مالک کی رضا سے ممکن ہوتا ہے ورنہ لاکھ وظیفے بھی کام نہیں آتے۔کبھی تم نے جادو ٹونا کروا کے دیکھا ہے؟
ہاں جادوگروں کی بھی فنکاری مجھ پر ختم ہوتی ہے۔وہ سب بھی اُلٹا مجھ پر وار کرتے ہیں۔کسی کا زور بدن پر چلتا ہے کسی کا روح پر۔
سب جال جکڑ کے پھندے ہیں اور ہر شخص عیار شکاری۔ ہر پیشن گوئی اُلٹ ثابت ہوتی ہے
ہونہہ تو تم زحل کی پیداوار ہو۔
پتہ نہیں میں زحل کی پیداوار ہوں یا وہ مجھ سے جنما ہے۔
یہ تم اچانک بیزار کیوں ہو جاتی ہو؟
ہاں....شاید....۔
اچھا اگر تم واقعی بے بصر ہوتیں تو...؟
وہ تو میں اب بھی ہوں...خاندان بھر میں مجھ سے زیادہ کوئی ہے ہی نہیں اور جانتی ہو سبھی اس کی گواہی دیں گے۔ویسے اگر تم کوشش کرو تو سیانی ہو سکتی ہو۔
اونہوں.... ہر کوشش بے کار.... بے سود ہے سب کچھ....۔
اچھا... تو پھر کیا کیا جائے؟
تم کسی اللہ والے سے رابطہ کرو۔
وہ بھی کر دیکھا...نتیجہ وہی...سراب۔
الجھنیں....اذیتیں....عذاب!
میں نے سُنا ہے کہ ربّ جسے چاہتا ہے اُسے آزماتا ہے۔آزمائے چلا جاتا ہے۔
پھر کیا سوچا تم نے...؟
ہاں جو کپڑا جتنا میلا ہو اُسے اتنا ہی دھویا نچوڑا جاتا ہے۔
اور رہی سوچنے کی بات تو اب میں سوچتی نہیں ہوں بس جو ہوتا ہے ناں اُسے

ہونے دیتی ہوں ...بس ....
کیونکہ میرے اختیار میں کچھ بھی تو نہیں۔
اچھا تم راضی بہ رضا ہو کیا ؟
کسی بزرگ نے بتایا تھا کہ ربّ کی رحمت طلب کرو۔
راضی بہ رضا ہونا تو بڑے لوگوں کا کام ہے۔ میں اک عام سی عورت ہوں۔
یہ بڑے لوگ کون ہوتے ہیں ؟
جو واقعی بزرگ ہوتے ہیں۔ ''اُس'' کی راہ پہ چلتے ہیں اور جن کا احترام لازم ہے۔
تم بوڑھی ہوگئی ہو اور بڑی نہیں ہوئی۔ ہاں ...وہ میں نہیں ہوسکتی مجھے اپنی اوقعات کا علم ہے۔ اس کے لئے خود کو مارنا پڑتا ہے۔ ہم سے تو نفس قابو میں نہیں رھتا۔ ہم تھڑ دِلے لوگ ہیں۔
حیرت ہے ...لوگ تو تمہاری بہت عزت کرتے ہیں۔
ارے بے وقوف وہ تو عادتاً کرتے ہیں۔ یوں بھی کچھ لوگ ترس کھاتے ہیں۔ میرا دل رکھنے کو یا پھر بالوں کی سفیدی کا مان رکھ لیتے ہیں۔ میں بھی اس خوش فہمی میں تھی کہ وہ میری عزت کرتے ہیں مگر اب میں نے سچ مان لیا ہے۔
ارے .... یہی تو مار دیتی ہے تم اس جھانسے میں نہ آنا۔
چلو اک اور بُت ٹوٹا .... ورنہ اس کا بھی سہارا ہی رہتا۔
احمق ہو ...تم بھی کن سہاروں کے پیچھے بھاگتی ہو ...سب سائے ہیں ...فریب ہیں تم بچپن سے خود فریبی کا شکار رہی ہو۔ خواب دیکھنا چھوڑ دو۔
مگر جینے کے لئے کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے ناں؟
تو تم نے تسلیم کیا ناں کہ تم بے بصر تھیں اور اب بھی ہو۔ بلکہ ہمیشہ رہو گی۔
ہاں ...وقت بہت ظالم ہے سبھی کچھ منوا لیتا ہے۔ افسوس۔
ہر نظر اور منظر کی ایک حد ہوتی ہے اور اینڈ اک ایسی گلی ہے جس سے ہر شخص نہیں گزر سکتا ہاں جس پر ''وہ'' کرم کرے اس کی بات علیحدہ ہے۔
اسمیں انسان کی اپنی خواہش کی نہیں بلکہ صرف ''اس'' کی مرضی کی بات ہے۔ جس خالق نے ہمیں خلق کیا جس نے ہمیں ہر طرح کا رزق دیا۔ روح بدن کی ہر خوراک مہیا

کی۔ ورنہ ہم سب مٹی کے کوزے ہیں جسے وہ جیسے چاہے گھڑے۔ کچھ میں ''وہ'' پریت زیادہ ڈالتا ہے۔ اتنی کہ جو بھی اُسے دیکھے وہ پہلی نظر میں ہی ٹھہر جائے اور سبحان اللہ کہہ اٹھے ... دیکھنے والا خود تحیر میں پڑ جائے کہ کیسے بنا ہے یہ شاہکار...

اُس کے بھید ہیں وہی جانے۔

جو ''وہ'' چاہے تو ان منظروں سے آگے کا مسافر بنا دے وہی مسافر خود منزل بن جائے۔ پھر سارا کارواں اسی کے پیچھے۔

جسمیں چاہے اپنا جلوہ ظاہر کر دے۔ جس کو چاہے اوجھل کر دے۔ .... فیصلے اُسی کے، اختیار اُسی کا۔ کہنے کو ہم افضل .... مگر اعلیٰ وہی۔

جن کی قبر پہ دیا جلے اسی کی لاٹ بھٹکوں کو راہ دکھائے۔ دو جے جو تاریک تھے وہ اُنہیں اُجال دے۔

چاہے تو نسلوں کو روشن کر دے چاہے تو گھُپ اندھیرے میں بھٹکنے دے۔ ازل سے ابد تک یہی سلسلہ چلتا رہا ہے.... چلتا رہے گا....

ہم جیسے کروڑوں محتاج....

وہ ہی داتا!

وہ ہی مشکل کُشا!

سبھی بزرگوں کو بزرگی عطا کرنے والا ... سبھی کے کشکول بھرنے والا .....وہ ہی دین اور ہم سب گدا گر .... ہمارا لیکھ منگتا ہونا....

اس کی عظمت ہماری خالی جھولیوں بھرنا....

لاکھ دیواروں سے ٹکریں ماریں .... اُسی کے در سے خیرات ملے .... خیر ملے....!

وہ ہی سب میں ...وہ ہی سب ....وہ ہی کل تھا وہ ہی اب ....!

گرداب

ہم سب جیسے ہر لمحہ بھنور میں چکر کھاتے رہتے ہیں اس سے مُکت نہیں ہوتے یا پھر ہونا ہی نہیں چاہتے۔

ہم ہو نہیں سکتے ... یہی گرداب ہمارا اصل ہے۔

گھوم چرخڑا سائیں دا

تیری کتن والی جیوے

گھمن گھیری ہے حیات۔ کبھی کوئی سرا نہیں ملتا۔ منزل نہیں ہوتی۔ کس کو پُکاریں۔

اُس کو جس نے صدا بنائی جس نے خاموشی کی رمز سمجھائی۔

لیکن تم اس سے تھک گئی ہو۔

نہیں میں اس چکر سے تھکی ہوں جسمیں ہم سب پھنسے ہیں۔ اوّل سے آخر تک۔ سب اسی کا حصّہ ہیں۔ ہماری حیثیت اک تنکے سے بڑھ کر ہرگز نہیں ہے جو اسی میں گم ہو جاتا ہے۔ تہوں میں جا چھپتا ہے۔

کیا تمہیں زندگی سے نکلنے والے لوگ یاد آتے ہیں؟

ہاں .... وہ مجھی میں کہیں پوشیدہ ہیں بس نظر نہیں آتے۔ وہ جس دُنیا میں جا بستے ہیں اس کی بھی خبر نہیں ملتی۔

سُنا ہے وہ دُنیا بہت حسین ہے۔

ہو گی ... مجھے تو بس یہ علم ہے کہ ہم سب اک دوجے کے پیچھے قطار بنائے کھڑے ہیں۔ کچھ پہلے روانہ ہوئے تو کچھ کو بعد میں ہونا ہے۔ مگر سب کو اسی مرکز کی سمت چلنا ہے۔

کیا تمہارے درد کی دوا ملتی ہے؟
نہیں ...سبھی کے درد سسکتے ہیں ان کا دارو کسی کے پاس نہیں ہے۔
کیا تم نے کبھی موت سے خوف محسوس کیا...؟
ہاں... جب بھی اپنے اعمال کو دیکھا تو سوچا... ہم کیا کرنے آئے تھے اور کیا کر رہے ہیں ...؟
کیا تمہارے پاس زادِ راہ ہے؟
نہیں۔
تو پھر پریشانی کیسی ...؟
کیا جن کے پاس ہو ان کے لئے پریشانی ہوتی ہے؟
زادِ راہ ہو اور منزل کا رُخ کیا جائے تو کیا کمال؟
بات تو تب ہے کہ ہتھیلی خالی ہو اور دل شکستہ تو سفر کرو تو جانیں۔
یہ تو ایسے ہی ہے جیسے دولت ہو تو انسان جتنے مرضی عمرے اور حج کر لے۔
تو کیا غریب کے پاس دل نہیں ہوتا یا پھر خواہش نہیں ہوتی ۔کیا اسکی آنکھیں خواب نہیں دیکھتیں۔
غربت تو امیری ہے۔
نہیں امارت دولت کی نہیں دل کی ہے۔
ہاں دل جہاں ربّ رہتا ہے اور جو دلوں کے ہر بھید سے واقف ہے۔ ربّ کو تو حسن پسند ہے۔کو بج بھی تو وہی دیتا ہے۔کو بج وہ جو دوسروں کے لئے ہو.....
حضرت بلال حبشیؓ حضورِ پرنور ﷺ کے غلام کا رنگ سیاہ تھا۔
مگر ان کی آواز پُر اثر تھی جس نے لوگوں کو دین میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ کہتے ہیں کہ جنت کی حوروں کے مُکھ پر وہ تل ہونگے جو حضرت بلال حبشیؓ کے رنگ کو تبرکاً ربّ نے تقسیم کیا ہے۔کیا سخاوت ...کیا عطا اور کیا مقام۔
لیکن کو بج بھی تو وہی دیتا ہے۔حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی مثال لو۔
ربّ تعالٰی کو فیاضی پسند ہے ....سخاوت پسند ہے۔ کچھ کے پاس ہر دنیاوی دولت

ہوتی ہے۔مگر وہ بخیل ہوتے ہیں۔

عجیب بات ہے جو دینا چاہتے ہیں ان کے ہاتھوں میں دولت نہیں ہوتی۔آخری پائی بھی اُس مالک کی راہ میں اُس کی مخلوق پر خرچ کرنا دلیری ہے۔اسے یہ بات محبوب ہو گی۔جانے اُسے کونسی بات اچھی لگتی ہو گی۔ہم تو بس اسلئے کرتے ہیں کہ شاید اُسے ہم پیارے ہو جائیں۔بھا جائیں...ممکن ہے کوئی ایک معمولی سی نیکی ہمارے گناہ بخش دے۔

آخر ہم بخشش کیوں چاہتے ہیں؟

کیونکہ ہم دین و دُنیا میں رُسوائی سے ڈرتے ہیں.... مالک سب کو بچائے.....آمین!

ملامتی فرقہ تو کچھ اور کہتا ہے۔

ارے ان بابوں کی تو سمجھ ہی نہیں آتی۔ ہر کوئی دوجے سے مختلف بات سمجھا تا ہے۔ اک دوجے کی ضد....

کیا تمہیں نہیں لگتا کہ یہ سب ہمیں الجھاتے ہیں؟

نہیں .... یہ سب ہمارے الجھاؤ کو سمجھ جاتے ہیں۔ اصل کنفیوژن تو ہمارے اپنے اندر ہے...ذات گرہوں سے بھری پڑی ہے...ان کا کیا دوش؟

تو کیا تم ان کی حمایت کر رہی ہو؟

میں اس قابل کہاں کہ ان کے رتبے سے متعلق کچھ بھی کہہ سکوں؟ مجھے تو ہر وقت یہ فکر لگی رہتی ہے کہ کہیں مجھ سے کوئی گستاخی جانے ان جانے میں نہ ہو جائے۔بات ان کی حمایت کی نہیں....وہ سب تو بہت کچھ جانتے ہیں۔قصور تو ہم جاہلوں کی سمجھ کا ہے کہ ہم نا سمجھ ہیں۔

تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ ہمیں ساحل پر نہیں کھینچتے...کیا یہ ہمیں ڈوبتے دیکھنا چاہتے ہیں...کیا ان کی دید کو نظارہ ملتا ہے؟

پتہ نہیں .... یہ تو میں نہیں جانتی۔عقل وفہم سے آگے کے درجے ہیں تمام اور میں نے جو نصاب پڑھا ہی نہیں بھلا اُس کا امتحان میں کہاں دے سکتی ہوں ... میں کامیاب ہی نہیں ہو سکتی۔

آخر ہم کامیاب ہی کیوں ہونا چاہتے ہیں؟

کیونکہ ہم نے یہی سیکھا ہے...تعلیم ڈگریوں کے حصول کے لئے حاصل کرتے ہیں۔

آخر ہم علم ....علم کی خاطر کیوں نہیں پاتے ؟
کیونکہ ہم جاہل ہیں ۔ ہمارے پاس کسی مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ ہم سب بھیڑ چال کا شکار ہیں۔ ہماری حالت تو اُن ٹرک ڈرائیوروں جیسی ہے جو اک دوسرے کے پیچھے چلتے چلے آتے ہیں۔ایک کھائی میں گرتا ہےتو دوجے بھی ....
تم بہت عجیب باتیں کرتی ہو؟
ہاں .... ہم سب ہی عجیب باتیں کرتے ہیں بس تسلیم نہیں کرتے۔ مجھے تو کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے تم مجھے سمجھتی نہیں ہو یا پھر ادھورا سمجھتی ہو۔
ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق ہی دوجے کو سمجھتا ہے نہ کہ دوسرے کے مطابق اُسے جانتا ہے۔
آخر تم میری کیفیات کب سمجھو گی ؟
پتہ نہیں
تمہیں ہر بات آخر بتانا کیوں پڑتی ہے کہ کب مجھے کیا چاہیے؟
اصل میں میں گم رہتی ہوں شاید اسلئے تمہیں سمجھ نہیں پاتی۔خود سے نکلوں تو تمہیں کھوجوں۔
کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری ساری عمر اسی حسرت میں بیت جائے گی ۔
ہم سبھی لوگ صرف اپنا سوچتے ہیں دوسرے کی خواہش نہیں جانتے۔
اس کی کیا وجہ ہے؟
ہم خود غرض لوگ ہیں۔تمہیں پتہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جو دوسرے کے فائدے کا کبھی سوچے سوائے کچھ خاص لوگوں کے۔
ہم کیوں نہیں سوچتے ؟
کیونکہ ہم سوچنا ہی نہیں چاہتے تا کہ عمل نا کرنا پڑے۔

زہر

تم جانتی ہو کہ تم سب لوگوں کو جو محبت تقسیم کرتی ہو تو کس قدر ظلم کرتی ہو؟

اسمیں کیا غلط ہے؟

یہی کہ کانوں کے راستے تم دل اور روح پر قبضہ کر لیتی ہو پھر رگوں میں اس نشے کی عادت پڑ جاتی ہے اور تم معصوم بن جاتی ہو جیسے تم نے کچھ کیا ہی نہ ہو۔

مگر میں نشہ تو نہیں ہوں

ہاں تم نشے سے بھی بڑھ کر ہو۔ بھلا نشہ کو کیا خبر۔

ہاں نشئی مارا جاتا ہے نہ جیتا ہے نہ مرتا ہے۔ رگوں میں تڑپ رہتی ہے۔

مگر تمہیں اس سے کیا غرض.....

تم پاگل ہو کہ نفرت اور منافقت کے موسم میں محبت تقسیم کرنے نکلی ہو۔

میں تمہارے یا کسی اور کے لئے اپنا راستہ نہیں چھوڑ سکتی۔

تم کس راستے کی بات کر رہی ہو، جو تنہائی اور اُداسی کے سوا تمہیں کچھ بھی نہ دے سکا۔ جو تمہیں دیتے رہنے کی اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں دے سکا۔

میں صرف دینے کو آئی ہوں لینا نہ تو میرے مقدر میں ہے اور نہ ہی میری ضرورت ہے۔

تم کس دور میں رہتی ہو۔ کن لوگوں میں رہتی ہو؟

جانے کیسی ہوں...؟ بس میں ایسی ہی ہوں۔ میں خود کو بدل نہیں سکتی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ مجھے یونہی رہنا ہے۔ میں دوسروں کے مطابق نہیں بن سکتی۔ نہ بننا چاہتی ہوں۔ مجھے زندگی نے یہی سکھایا ہے۔

تم زندگیوں سے کھیلنے والی ہو اور تسلیم نہیں کرتیں۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔
میں زندگی سے نہیں موت سے کھیلتی ہوں کہ ہر موت دراصل میری موت ہے۔
اور جو تمہارے اسیر ہیں وہ بھی تو لمحہ لمحہ مرتے ہیں۔ اُن کے درد کا سوچتی ہو۔
ہاں... اُن کے درد سے گزرتی ہوں۔
تم آنسو خریدتی ہو کیا ملتا ہے؟
ہاں بہت کچھ.... میں ان آنسوؤں کو اپنی مسکراہٹ اور قہقہوں میں فراخدلی تقسیم کر دیتی ہوں.... تا کہ دنیا سے محبت نہ ختم ہو۔
تم جانتی ہو کہ سب لوگ تمہاری محبت کے لئے نہیں آتے.... محبت تو انہیں ہر ماں سے ملتی ہے پھر تم سے کیوں خواہش.... کیونکہ تم اہم شخصیت ہو۔
میں تو عام عورت ہوں نا جانے لوگ اہم کیوں جانتے ہیں....؟
ٹی وی سکرین اور ریڈیو کا مائیکروفون بہت سے لوگوں کو تمہارے گرد طواف کرتے رہنے پر مجبور کرتا ہے اور اگر میں کہوں کہ شاعری بھی کسی نشے سے کم نہیں تو۔
لیکن وہ تو تلخ ہے.... سچائیوں بھری.... رومانس سے عاری....
ہاں یہ لکھنا ہر کسی کے بس کی بات کہاں ہے....تمہیں اپنی وہ نظم یاد ہے۔
وہ کہتے ہیں
احتیاط کرو
گوشت کاٹتے کاٹتے
کہیں ہاتھ نہ کاٹ دینا
انہیں کیا خبر
کہ میں وہ زندہ عورت ہوں
جو برسوں پہلے رگیں کاٹنے کا تجربہ کر چکی ہے!
ہاں مجھے یاد ہے.... اس پر لوگ حیران ہوئے تھے....
دراصل تم سچ کی سوداگر ہو اور تمہاری ہٹی پہ سچ ہی ملتا ہے.... سچ ہی بکتا ہے۔
ہاں اب تم مجھے بہت جاننے لگی ہو۔

تم زہر کی تاجر ہو......
سچ کا زہر بیچتی ہو....
عمر بھر یہی کاروبار کرتی رہی۔
تم زہر بھری ہو.....لیکن لوگ رس بھری جانتے ہیں۔
اصل میں یہ زہر ہر اک کی روحانی ضرورت ہے اسی لئے وہ لوگ مجبور ہوتے ہیں مجھ سے اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں....۔

کیا وہ جانتے ہیں کہ تم زہر تقسیم کرتی ہو؟
ہاں اُن میں سے کچھ.... بہت سے تو دوجوں کی دیکھا دیکھی تمہارے اثر میں آتے ہیں اور واقعی تمہارے کاٹے کا تریاق کہیں نہیں ملتا۔تم ابھی بھی لوگوں سے ملنے سے گریز کرتی ہو؟

ہاں.... یہ سچ ہے۔
جبکہ تم جانتی ہو کہ تمہاری ضرورت اور مانگ کسقدر ہے۔
تم جانتی ہو؟
ہاں مجھے معلوم ہے....کہ کب کب لوگ اسیر جاں ہوئے اور یہ سلسلہ برسوں سے آج تلک جاری ہے۔ختم نہیں ہوا۔
تم ان کی مراد پوری کیوں نہیں کرتیں...؟
یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔
تم تو دین کے جذبے سے سرشار ہو...اسکی اہمیت سے واقف بھی پھر کیوں؟
مان لو کہ میں بھی حکم کی پابند ہوں....
جواز نہ ملے تو ناں....؟
مان گئیں ناں...میں نے تم سے سچ اگلوا ہی لیا۔
نہیں ادھورے سچ کی کہیں کوئی قیمت نہیں ڈلتی.... کوئی خریدار نہیں ہوتا۔
تم مجھے میری راہ سے ہٹا نہیں سکتیں اور نہ ہی مجھے دوجی راہ پر ڈالنے کی سعی کر سکتی ہو.....
باز آجاؤ.....

ورنہ انجام تمہاری سوچ سے کہیں زیادہ برا ہو گا....

مجھے پرواہ نہیں !

میں تمہارے ساتھ اور سفر نہیں کر سکتی.....تم امانت دار نہیں رہیں۔ضرورت سے زیادہ عیاری مروا دیتی ہے۔اور ابھی تمہیں زندہ رہنا ہے۔

وہ کیوں؟

اسلئے کہ اس زہر میں تم بھی ساجھے دار ہو.....تم بھی!

کیا میں بھی اسمیں ملوث ہوں...؟نہیں یہ جھوٹ ہے!

یہی سچ ہے..... اور تمہیں یقین نہ ہو تو گواہی کے لئے مجھے کہیں جانا نہیں پڑے گا....سب سُچل روحیں موجود ہیں اور رہیں گی....۔

مجھے یہ ماننا ہو گا کہ میں خود بھی تمہارے اسیروں میں ہوں اور تمہارا زہر میری رگ رگ میں سرایت کر رہا ہے۔

میں چاہوں بھی تو تم سے رہا نہیں ہو سکتی....

اور اگر جدا ہوئی تو مر جاؤں گی۔

مجھے بچالو.....مجھے بچالو!

تو پھر اسی زہر کو چاٹتی رہو.....شانت رہو....۔

اور خود کی گواہی دو.....!

اے مرے چاند، مری رات کو گواہوں میں رکھ
کہ میں نے عقد کیا ہے اسی مجذوب کے ساتھ

نفی اثبات

مراجعت کا تو اب سوال نہیں
کہ میں نے کشتیاں جلائی تھیں

عشق کی راہ کا پہلا کانٹا خود کی نفی ہے۔محبوب کی ذات میں گم ہونا ہے۔اسی عشق نے پانی میں آگ لگائی اور جانے کتنے انسانوں کی چِتا جلائی۔عشق نے ہی تمام ولیوں پیغمبروں اورحق کی راہ پہ چلنے والوں سے جان کا نذرانہ مانگا۔اس پُر خار وادی میں سلامت نہیں رہا کرتے۔تن پہ ماس نہیں جیتا اور ہڈیاں سُرمہ بن کر خاک ہوتی ہیں۔

عشقِ حقیقی ہو کہ مجازی دونوں کے لئے محبوب کی خوشی اور خواہش اہم ہے۔

اپنی ہستی کو مٹا کر ہی کوئی مقام ملتا ہے اور ہر نیا مقام گذشتہ کی نفی کرتا ہے۔آگے اور آگے جانے کے لئے پچھلے کو صفر کرنا پڑتا ہے۔نئے انداز سے جیون کرنا پڑتا ہے۔ذرے کو آفتاب بننے کے لئے جانے کتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔کس کس شے کو قربان کرنا پڑتا ہے۔کس کس رشتے کی زنجیر توڑنا پڑتی ہے۔

مالک کو ہی تمام تعریفیں زیبا ہیں اور اسی کی محبت مقدم اور افضل ہے۔اُسی کے محبوب سے عشق کرنے والے کو عاشق مانا جاتا ہے۔

عشق میں من وتو کے مابین فرق ختم ہو جاتا ہے بس تو رہ جاتا ہے اور جس کی ہستی فنا ہو جاتی ہے اس کی بقا ہے ورنہ سب کچھ فنا ہے۔عشق کے دربار میں با ادب ہی با نصیب ہے۔صبر شکر ہی وظیفہ ہے۔محبوب کا ذکر ہی تسبیح ہے۔اُسی کی فکر اپنی فکر پہ حاوی ہے اور جسے خالق وجدان کا علم دیتا ہے اس کے لئے اپنے لئے اور اپنی جیسی روحوں کے لئے نئے در وا

ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں لاک ماسٹر بن جاتا ہے اور اسی کے ہاتھوں سے دوسروں کے قفل کھلتے ہیں۔

ربّ رحمٰن ہے اور محبوب رحمت الا العالمین ہیں۔ نجات اُسی کے حصے میں جو خالق کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے کیونکہ شرک کی معافی نہیں۔

فقر کسی کی میراث نہیں نہ ہی فقیر کسی ایک کا ہوتا ہے۔ دوجوں کو خالی کرنے والا خود تہی دست ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ فقط اک آنسو بن جاتا ہے جو گوہر سے کم نہیں ہوتا.... میں زندگی کو ڈھونڈتی ہوں جبکہ موت میرا رزق ہے۔

آج اس رقصِ مجذوب میں میں ہر فقیر کو زنجیر کرتی ہوں۔

ہر عورت کو تصویر کرتی ہوں۔

لمحے کو تنویر کرتی ہوں۔

بس اک ہاتھ کے فاصلے پر کھڑی ہوں میں......

نہیں جھومتی ہوں میں .... مان لو کہ اسی رقص کا حصہ ہیں ہم اور ہمیں اسی کی مستی میں گم ہونا ہے۔ اپنے آپ سے بیگانگی ہی تو اپنی تلاش کا رستہ ہے۔ خود کو جاننے کی سعی ہے اور جس نے خود کو پہچانا اُس نے ربّ کو جانا.... مگر ہم صرف اپنی ضرورتوں کو جانتے اور ان میں دیوانے ہوئے پھرتے ہیں.... یہ نہیں جانتے کہ ربّ ہمیں دیکھ رہا ہے.... ہمارے پہلے قدم کا منتظر ہے۔ چاہت اُس کا بھی رزق ہے.... کہ وہی اس کے لائق ہے جو کروڑوں کی قیمت کا اک انسان تخلیق کرتا ہے کیا ہم اس کا مول اک لمحہ بھی نہیں دے سکتے...؟

ہم کم ظرف ہیں یا بخیل یا اس کی عظمت سے انکاری!

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اپنی قیمت کم یا زیادہ رکھ لیتے ہیں اور پھر الزام خریدار کو دیتے ہیں۔ ہمیں اپنی پراڈکٹ سیل کرنا ہی نہیں آتی تو ہمیں دوسرے کا کیا قصور؟

ہمیں محبت کے ہر انداز نے یہی سکھایا کہ دینے والا ہاتھ یقیناً لینے والے ہاتھ سے برتر ہو جاتا ہے۔ کیا جو کچھ ہم نے سیکھا وہ ہم ہی نے سیکھا جو کچھ ملا وہ کہاں سے اور کیونکر ملا...؟

ہم کسی فنکار کو داد و تحسین دیتے ہوئے یہ نہیں جانتے کہ اس کی زندگی کی ضرورتوں میں کچھ اور بھی ہے۔ اسے بھی کچھ اور چاہیے...... یہی کچھ اور یا پھر جانے کہاں کی تلاش اُسے

فنکار بنا دیتی ہے۔

اس کی کتر و برید بھی اُسی کے ہاتھوں ہوتی ہے اور اپنی جڑیں کاٹنا اپنی ٹہنیوں شاخوں کو خود سے جدا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ فنکار ہر لمحہ کسی نئے امتحان کی آزمائش کے جوکھم میں پڑا رہتا ہے۔ اُس کے ساتھ رہنے والا بھی اس کی کیفیات کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس کو جان کر بھی ہم نہیں جان پاتے .....مختلف فن پاروں یا کرداروں کی مورت میں وہ جانے کیسے ڈھلتا ہے۔ کیسے خود کو ہر بار زندہ کرتا رہتا ہے۔ ٹوٹتا، جڑتا، بگڑتا اور بنتا ہے۔

ہم بہت آسانی سے اُس کے کردار اُس کے فن پر تنقید کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ہمارے حرفوں سے اس کی روح چھلنی ہو جاتی ہے۔ ہم سچ کو بھی جھوٹ سمجھنے لگتے ہیں۔ کسی سچی روح کو پیروں تلے روندتے چلے جاتے ہیں۔ یہ جانے بغیر کہ اُس پر کیا گزرتی ہے؟

ہم ہر گزری بیتی کو اُس کی شخصیت پر کندہ کرتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ وہ بہر حال ایک انسان بھی ہے۔ نہایت حساس دل رکھنے والا شخص....

فنونِ لطیفہ سے متعلق تمام شعبوں سے منسلک لوگوں کے ساتھ ہم فخر سے تصویر بنواتے ہیں مگر ان کے گھروں میں ان کی عزت نہیں کی جاتی۔ توقیر و تکریم اس کا بھی حق ہے۔

ہم گھروں سے باہر رشتے کیوں تلاشتے ہیں۔ آخر کیوں ان کی مجبوریوں اور خواہشوں کو کم داموں خریدتے ہیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ اُسے اور کچھ نہیں چاہیے۔ کیا جو کچھ اُسے ہم سے ملا اُس سے زائد کا وہ حقدار نہیں ہوتا یا پھر ہم حق کی ادائیگی میں کوتاہی کر جاتے ہیں۔

ہم توقعات زیادہ رکھتے ہیں۔ سہولت اور وسائل کم دیتے ہیں۔ آخر کیوں؟

کسی انسان کو جو کچھ بھی وہ بناتا ہے وہ بننے میں کتنا کچھ لگانا پڑتا ہے یہ کون جانتا ہے۔ کون جا سکتا ہے ..؟

نفی اثبات دا پانی ملیوس
ہر رگے ہر جائی ہو

عشق

عشق کے پاؤں میں تو بیڑی نہیں
حسن کو آزمانے کیوں ہے چلا

عشق ایک کشٹ ہے جو ہر شخص نہیں کاٹ سکتا۔ تپسیا کتنا جان جوکھم کا کام ہے جو ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہم سب کو اس مشینی دور نے انسٹینٹ کی عادت ڈال دی ہے۔ ہم ہر شے کا فوری حل مانگتے ہیں جبکہ ان راہوں پر کچھ بھی فوری نہیں ملتا۔

ملنے والا خود گھما کے رکھ دیتا ہے اب بھلا کون کس سے کیا کہے؟

کیا طلب کرے اور کیسے؟

زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ لفظ گڈ مڈ ہو جاتے ہیں ہم ہکلانے لگتے ہیں۔ ہماری بات دوجے کی سمجھ میں ہی نہیں آتی۔ سُننے والا بہرا نہیں ہوتا۔

کہنے والے کو بات کہنے کا ڈھب نہیں آتا تو پھر سننے والا کیسے کیا مانے۔

پیا کو منانے کے لئے سوجتن کرنا پڑتے ہیں۔

پیروں میں گھنگھرو ڈال کے کنجری بننا پڑتا ہے۔

سوطرح کے راس رچانے پڑتے ہیں تب اگر کسی کے جی میں آئے تو وہ من جائے ورنہ روٹھا رہے۔

ساجن روٹھے تو سارا سنسار روٹھ جاتا ہے۔

دو پاٹن کے بیچ پھنسی میں
تب جا پی کے من میں بسی میں

سب کچھ برباد ہو جاتا ہے۔ آبادی بھی ویرانہ لگتی ہے اور کہیں دل نہیں لگتا۔

عشق میں منصور بننا پڑتا ہے .... دار کو چومنا ایسا ہی ہے جیسے SWORD OF HONOUR کو بوسہ دینا ہو۔

عشق میں اوّل و آخر فنا ہے۔

اسی میں بقا ہے۔ سبھی کچھ ہیچ۔ سب کچھ بے مول۔ عشق میں اشک ہیں ۔رسوائی ہے۔ مٹی ہونا ہے۔ جان کی پرواہ نہیں ہوتی۔ ہتھیلی پہ جان لئے پھرتے ہیں

کیا تم نے کبھی عشق کیا؟

میں نے...؟

میرا اعزاز یہ ہے کہ مجھ سے بارہا عشق کیا گیا۔

تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔

میں اس سوال کی اہل ہی نہیں۔ میں تو پیار اور محبت جیسے کھلونوں سے کھیلی ہوں .... بہلی ہوں۔

عشق کے لئے تو انسان کو اعلیٰ ہونا چاہیے مجھ ادنیٰ کا یہ کام کہاں؟

تم عشق کسے کہتی ہو؟

جس کے بعد کچھ نہ رہے۔ بس ہر سمت وہی ہو....تُو ہی تُو ...مجھ ایسے تو ہر چیز سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

تو پھر تم سے کسی نے عشق کیوں کیا؟

میں اس لائق نہ تھی نہ ہوں یہ تو مالک آپ جانے۔ میں تو ہر لمحہ شرمسار ہی رہتی ہوں کہ دوجا مجھے کیا سمجھ رہا ہے؟ میری اصل حقیقت کیا ہے؟ کچھ لوگ شخصیت سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اصل نہیں جانتے ناں اسلئے۔

پھر عشق میں انسان کو عقل کہاں رہتی ہے؟ یہ کھیڈ کچھ اور ہی ہے۔ ویسے بھی عشق میں انسان کی سُدھ بُدھ کھو جاتی ہے۔

تم نے کبھی پوچھا کہ کیوں؟

سمجھ تھوڑی آتی ہے کسی کو، بس یونہی لوگ پاگل ہو جاتے ہیں۔ کوئی وجہ ضروری نہیں ہوتی۔

کیسا سچا عاشق؟

اُف .... ایسا ویسا.... ہر سانس دیدار کی حسرت.... ہر کوئی اتنا Posessive کہ سانس رُک جائے۔ہم حصول کے خوگر ہوتے ہیں بس چیز پر قبضہ کر لیں جیسے میں کوئی انسان نہ ہوں جن ہوں جس کو قابو کرنا ہو۔

تمہیں رشک محسوس ہوا کہ حسد؟

سچ تو یہ ہے کہ رشک لیکن مجھ میں وہ گُن ہی نہیں کہ میں وہ بن جاؤں۔ میں تو شاید میں بھی نہیں رہی ہوں جانے وقت نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے۔

تمہیں کیا بات اچھی لگتی تھی؟

والہانہ پن.... جانثاری.... سپردگی..... صدقے واری ہونا۔

تو کیا کچھ بُرا بھی لگا؟

ہاں.... بے بسی....

عشق ایک مسلسل کیفیت ہے جو صرف دین جانتی ہے۔ ہاں اس آگ کی تپش بہت شدید ہے۔انسان جھلس جاتا ہے۔ میں تو اس غم میں بھی جھلّی ہو جاتی ہوں کہ دوسرے پر کیا بیت رہی ہے ...؟

کبھی تم تنہائی میں اس کی کیفیت پر روئی ہو؟

ہاں بہت مرتبہ....لیکن میں تو خود بے بسی کی سیڑھیوں پر ہوں کسی کے لئے کیا کر سکتی ہوں؟ بس دُعا کہ سکون ملے....

یہ تڑپ سہی نہیں جاتی۔

عشق کی موجوں میں کھیلنے والی روحیں کوئی اور ہی مخلوق ہوتی ہیں۔عشق حقیقی ہو یا مجازی ہم ایسے تو کسی کو بھی نظر بھر کے دیکھ نہیں سکتے پھر ان کے ساتھ ایک قدم چلنے کا حوصلہ کہاں ہم میں....!

عشقیہ داستانوں کو تو پڑھا ہو گا؟

ہاں پڑھتے ہوئے بھی حیران ہوتی تھی اور داستانوں کا کردار بنو تو مت پوچھو کہ کیا حال ہوتا ہے؟ اک عالمِ بے خودی میں گم ہو جاتا ہے انسان۔ کسی شے کی نہ تو خبر رہتی ہے نہ

جستجو.... نہ تلاش رہتی ہے نہ ضرورت۔ جیسے سب کچھ پا لیا ہو مگر دوسرے لمحے کھونے کا احساس بھی شدید ہوتا ہے۔

شاید کھونا ہی حقیقت میں پانا ہے۔

کیا تم خوش ہو؟

اک عجب اطمینان ہے مگر ہر لمحہ انسان پھر بے چین کیوں رہتا ہے؟

کچھ تو ہے جو پاگل کیئے رکھتا ہے۔ شائد حصول میں گُم رہنا۔

اپنی ہستی کو پھیتی پھیتی کر کے اس کی ذات میں پھر سے جڑنا، ہر لمحہ گندھتے رہنے کی آرزو..... تکمیل میں تشنگی کا احساس یا پھر کھو دینے کا اندیشہ روح کو دیمک کی طرح کھائے جاتا ہے۔

معلوم نہیں کہ یہ بھید کیا ہے؟ مگر جو کچھ ہے پُر لذّت بھی ہے اور اذیت بھی۔

انتہاؤں کے درمیان سفر... پُل صراط کا سفر.... بہت منفرد اور انوکھا سفر۔

جانے کن آسمانوں، کہکشاؤں کا راستہ ہے یہ.... پُر پیچ، پُر خطر... مگر انسان بے خوف چلتا چلا جاتا ہے۔

عشق کیا چاہتا ہے؟

ہر لمحے کی موت.... اذیت اُسے دُکھ دیتی ہے نہ سُکھ.... مگر وہ ہر لمحہ کسی چوٹ کسی چُبھن کا خواہشمند رہتا ہے۔

عاشق کون ہوتا ہے؟

خود سے غافل مگر دوجے میں حاضر.... موجود۔

تم نے کبھی کسی سے اپنے دل کی بات کی۔

نہیں.... کسی حد تک تم سے کہی اور بس۔

کیوں؟

کسی کو سمجھ ہی نہ آئے گی لوگ اسے تصوراتی کہانی مانیں گے۔

جذبوں کو کیا نام دوں؟

رشتوں کی کن جہتوں کو سنبھالوں؟

دھنک رنگوں میں ڈوبی ہوں میں۔ راگ اور راگنیوں کا سہانا ملاپ ہے۔
اس سنگم کو کیا کہوں ....کیسے کہوں؟
مجھے خوشی ہے کہ تم اسے مان رہی ہو۔عزت دے رہی ہو۔
ارے کہاں؟ مجھے تو یہ لگتا ہے کہ جیسے میں حق ادا نہیں کر پا رہی۔
یہی تو ہے عشق ...آگے اور آگے ...منزلوں سے آگے ... گہرائیوں سے عمیق۔کیف میں ڈوبا خمار۔
تم ابھی بھی اسے عشق نہیں کہتیں۔
تمہاری سادگی پہ مجھے پیار آتا ہے۔
حیرت ہے!
ہاں ....اور مجھے تم پہ حیرت ہے! تمہاری زندگی کے ہر لمحے پہ حیران ہوں
تمہاری آزمائشوں، امتحانوں پر اور اُن کامیابیوں پر جنہیں لوگ ناکامی کا نام دیتے ہیں۔تم جیسی زندگی تو کروڑوں میں سے کسی ایک کی ہوگی۔تم سب سے جُدا اور منفرد ہو۔
ہاں.... میں منفرد ہوں اور میں نے ہر سانس اس کی قیمت دی ہے۔
کیا اس پر پشیمان ہو؟
نہیں......
دکھی ہو ؟
نہیں.....
تو پھر؟
مجھے فخر ہے۔

زمانے کی یہ گردش جاودانہ
حقیقت ایک تو ، باقی فسانہ
کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا
فقط امروز ہے تیرا زمانہ
اقبال

رقصِ مجذوب

عشق ہی اول آخر سب کا
عشق ہی دین ہے رب کا

جس تن لگیا عشق کمال
ناچے بے سُر تے بے تال

ہے عشق کی یہ انتہا
عاشق رہا سجدے پڑا
ہر سانس ہے پکارتا
نفس نفس کو سنبھالتا
کبھی تاریکی کو اجالتا
اے ربِّ کعبہ سن ذرا
مجھے بخش دے
اک قطرہء کوثر ذرا
ہے نسل نسل کی التجا
روز حشر دے ہم کو شفاء
رقص مجذوب

میں سمندروں کا آشناء
ازل سے ابد تک راستہ
انسان کے لیکھ سے جُڑا
دے منزلوں کا ہمیں پتا
مجھے رقص دے مجذوب کا
رقص مجذوب

میرے روم روم میں سُر بھرا
کبھی دھیما ہے کبھی تیز سا
یہ لہو مستی میں حال سا
یہ لمحہ ربِّ کمال کا
یہی ابتدا یہی انتہا
رقص مجذوب

یہ خمار روح سے بھرا ہوا
میرے تن بدن میں نشہ نشہ
جانے کون مجھ میں سلگ رہا
جانے کون مجھ میں بھڑک رہا
کون مجھ میں ہے چھپا ہوا
مجھے رقص دے مجذوب کا

رقص مجذوب

ہر شخص اپنے اپنے انداز میں رقص کرتا ہے مگر مجذوب کا رقص کسی دوسرے کا لیکھ نہیں وہ سرتاپا رقص میں گم ہوتا ہے۔

اس مستی میں اُسے کسی شے کا ہوش نہیں ہوتا اگر وہ جانتا ہے تو صرف یہ کہ وہ مخلوق ہے اور خالق سے اس کی لو لگی ہے۔ ایک ہم کلامی ہے، وہ خود سے نہیں اُس سے کلام کر رہا ہے جس نے خودی بخشی، شعور دیا۔ اُسے مخلوقات سے افضل بنایا اور بتایا کہ وہ ہست ہے نیست نہیں.... جہاں وہ ہے وہاں کوئی دوجا نہیں...

انسان سب کو جانے مانے اور ان کی تعظیم کرے جو جس عزت کے لائق ہو.....کسی کو نہ کم نہ زیادہ احترام دو۔

کیونکہ یہ نہ اُس کے حق میں بہتر ہے نہ تمہارے لئے۔

انسان سب کے لئے حاضر موجود رہے ہر لمحہ ان کی ضرورتوں کا خیال رکھے اور یہ نہ بھولے کہ اس کی اپنی ذات کا بھی کچھ حق ہے اُس پر....محبت کرے..... پیار دے... بے شمار دے۔

جسقدر ردین ہوگی اسی قدر وہ پا سکے گا اور اگر یہ وصف نہیں ہے تو وہ کچھ بھی نہیں۔

انسان کی خطا ہے....

انسان ہی خُدا ہے....

انسان ہی جزا ہے....

اور انسان ہی سزا ہے.....

لیکھ مالک لکھتا ہے مگر اس تحریر کے عنوان ہمارے اپنے اعمال لکھتے ہیں۔ ہمارے

ہی خد و خال لکھتے ہیں۔

ہم خود ہی فیصلہ کرتے ہیں ...خود ہی سزا پاتے ہیں۔

مجرم ہی منصف ہو تو نتیجہ کیا نکلے گا ؟

ہم ہر کردار خود کرتے ہیں جس طرح آجکل گلوکار خود ہی شاعر بنتا ہے ، کمپوزر بنتا ہے اسی طرح ہم سب کچھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور پھر شکوہ کرتے ہیں کہ کام درست نہیں ہوا۔ جس کا جو کام ہے وہ اسی کے سپرد کریں دل و جان سے اور پھر بھروسہ رکھیں یقیناً بہتر ہوگا۔ لیکن ہم میں تو بصیرت نہیں ، بصارت نہیں کہ ہم اُس بہتر کو حقیقتاً جان سکیں۔ ہم سب اندھراتے کے مارے ہوئے ہیں۔ ہم آنکھوں کے امراض میں مبتلا ہیں مگر ماہر ڈاکٹر سے مشورہ تک نہیں کرنا چاہتے پھر خواہش یہ کہ شفایاب ہو جائیں۔

ظلم رہے اور امن بھی ہو
کیا ممکن ہے تم ہی کہو !

ہم تاریکی کی عادت ڈال بیٹھے ہیں پھر اُجالے میں کیسے خوشی تلاش کریں۔

کیوں کرتے ہیں ...؟ ہم جس شے کے طلبگار ہیں وہ تو اس دُکان پر دستیاب ہی نہیں۔ غلط جگہ پر غلط شے کی تلاش سے ہم حاصل کیا کریں گے؟

یا تو ہم حد درجہ معصوم ہیں یا پھر ضرورت سے زیادہ عیار۔

دونوں صورتوں میں ناکامی ہمارا مقدر بنے گی۔

ہم ایک فریبی کی صورت لے کر اک ماسک چہرے پر پہن کر کب تک دوسروں کو اور خود کو دھوکہ دیں گے؟ کون سے حرف تلاشیں گے؟

شاید بے حسی میں ہم سوچ سمجھ کی دولت گنوا بیٹھے ہیں۔

بے حسی اک لا علاج مرض ہے۔ ہمیں تو وقت اُس مقام پر لے آیا ہے جہاں آگے دریا اور پیچھے کھائی ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب بھی کریں تو موت ہاتھ آئے گی اور رائیگاں حیات جائے تو یہ کسی ایک انسان کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی توہین ہے مگر ہم اس سے بھی غافل ہو چکے ہیں۔

ہم صرف دکھاوے کا جیون جیتے ہیں اور دکھاوے کی موت !

ہم روح کی پیاس نہیں بُجھاتے .... کسی کے دل کی خوشی نہیں چاہتے ۔ ہمیں خالق نے کیوں خلق کیا.... ہم جاننا ہی نہیں چاہتے ۔

پھر اُس مالک کا شکر ادا کریں تو کیسے ...؟

جذبہ ہی نہیں ... ڈھنگ ہی نہیں ... ہم بنجر ہو چکے ہیں ۔

اگر کہیں کوئی بیج ہے تو وہ صرف سچائی کا ہے ۔ غیر مشروط محبت کا ہے ۔ اخلاص کا ہے جس کی بدولت ہم حیاتِ نو پائیں گے ۔

مجذوب امیر ہوتا ہے مگر ہم اُسے اپنے طعنوں سے چھلنی کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے اسے اس کی حیثیت بتا دی ۔ جبکہ اس کی حیثیت تو ہم خود بھی نہیں جانتے ۔

مجذوب کی اک ادھوری مُسکان میں کائنات ہوتی ہے ۔ اسرار ہوتے ہیں اور ہم اُس کو اسیر کرنے کی سعی کرتے ہیں تو پھر وہ ہمیں یوں جکڑتا ہے کہ ہم رہا نہیں ہو سکتے ۔

ہماری آئندہ نسلیں بھی شکار ہو جاتی ہیں اور کوئی تعویذِ ردِ بلا کام نہیں آتا کہ ہم نے قانونِ قدرت میں مداخلت کی جرأت کی تو سزا ہماراحق ہوئی ۔

بھلا جو اہلِ علم و دانش ہے اس کا اور ہماری جہالت کا کیا مقابلہ...؟

جس پر ربّ کا کرم ہے اس کا اور ہم جیسوں کا کیا میل ...؟

ہم اپنی اوقعات سے زیادہ مانگتے ہیں تو پہلے خود کو تو دیکھیں کہ ہم اس کے اہل ہیں یا نہیں .... عطا کرنے والا سخی ہے .... وہ تو دے دے گا ہم سنبھالیں گے کیسے ...؟

سخی کی سخاوت میں کمی نہیں ہے ۔

کمی کجّی تو ہماری اپنی ذات میں ہے ۔ ہم ذات کو کیا جانیں جو ذلت کے دلدل میں دھنسے ہیں جو ''میں'' کی دُھول میں اَٹے ہیں ۔

سفید لباس پر کیچڑ اس کی شخصیت کو داغدار نہیں کرتی بلکہ اپنا آپ دکھاتی ہے ۔ اگر عظمت مالک نے عطا کی تو اس کی مہربانی ۔ وہ اپنی محبوب ہستیوں کا مان رکھتا ہے ... اگر وہ ہمیں توڑتا ہے تو محض اسلئے کہ کچھ لوگ بہل جائیں ان کو محسوس ہو کہ وہ بلند ہیں ۔ یہ ربّ کریم کی عظمت ہے کہ وہ ہم کو فخر عطا کرتا ہے ۔ ورنہ ہم پستی کے لائق لوگ ہیں ۔ یہ اُسی کا اعجاز ہے کہ ہم کو رفعت عطا کرتا ہے ورنہ ہم اس کے اہل کہاں ..؟

انسان کا سفر اور علم محدود۔

ربِّ کائنات ....لامحدود۔

انسان تو اک معمولی سی ٹھوکر سے ڈھے جاتا ہے بے مایا ہو جاتا ہے۔ربّ کروڑوں مخلوقات کو کس حُسن سے سمیٹتا ہے۔ ہر اک کو رزق اسی کے مقام پر ملتا ہے۔ ہم دن رات ہزاروں خداؤں کو سجدہ کرتے ہیں بس اسی واحد کے آگے ہماری جبیں نہیں جھُکتی جس کو زیبا ہے۔

قصور ہمارا ہے ...کائنات کے مالک کا ہرگز نہیں۔

ہمارے اردگرد غرض کی اندھی دوڑ ہے جس میں ہم بھی ہیں۔ نہ رشتے ہمیں باندھتے ہیں نہ جذبے!

موہ مایا کے جال میں پھنسے پرندے ہیں اور اُڑان کے خواب دیکھتے ہیں۔ رہتے زمین پر اور فلک پہ نام لکھنا چاہتے ہیں۔سب سے آگے اور سب سے بلند ہونا چاہتے ہیں۔

پہلے خود کو تو پہچانیں پھر ''اُس'' سے مانگ کریں۔

ہم ربّ کو بھی اپنے مطابق گھڑنا چاہتے ہیں کہ بس ہماری ہاں میں ''اُس'' کی ہاں ہو اور ہماری ناں میں ''اُس'' کی ناں!

اپنی ضروریات پوری ہوں چاہے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔ہم نے سبھی کچھ بھُلا دیا ہے۔

الہامی کتابیں طاق پہ دھریں اور اپنے مطابق تشریح بنالی۔

اپنی ہی مرضی سے موقع کی مناسبت سے کچھ بھی گھڑ لیتے ہیں کہ ''اللہ'' نے یہ کہا...۔

یہ بھول کر کہ جب پکڑ ہو گی تو ہمارا وجود کہاں ہو گا ؟

خس و خاشاک کی مانند ہوں گے ہم۔

ہم نے زندگی کو بھی مذاق ہی جانا اور خود سے وابستہ لوگوں کو بھی۔

ہم نے بزرگوں کو بھی اپنی چھلنی میں ڈال کر چھانٹا...۔

ان کے مقام کو بھول کر ان کا استعمال کیا پھر بھی شکوہ کہ...؟

ہم خود ہی خود پر ظلم کرتے ہیں اور الزام دوسروں کے سر۔

ہم سے کوئی وفا کیسے کرے جبکہ ہم خود وفادار نہیں۔

ہم خود تو رشتے نباہ نہیں سکتے چاہے وہ خون کے ہوں یا محبت کے۔
ہم سے تو ہماری اپنی روحیں لہولہان ہوئیں پھر دوسروں کو کیونکر بچائیں۔
ہم بے کفن سر بریدہ لاشوں کی مانند زندگی بسر کرتے ہیں۔
موت سے خوف کیسا اور زندگی سے پیار کیسا......؟
تم سچ جیتی ہو.... تھکن سے چور نہیں ہو؟
نہیں تھکن میرے راستے کا پتھر نہیں ہے تھکے تو وہ جو آگے چلنا نہ چاہے۔
مجھے تو علم ہے کہ آگے سرسبز و شاداب وادی ہے .... میں ربّ کی رحمت سے منکر نہیں ہوں۔ منکر ہو بھی کیسے سکتی ہوں.... میں نے زندہ معجزات دیکھے ہیں۔
تم نے ریاضت کی مگر ثمر نہیں ملا.... دُکھی نہیں ہو؟
ہاں وہ ثمر نہیں ملا جو لوگوں کو ملتا ہے مگر جو نصیب ہوا وہ سب کے لئے نہیں ہوتا۔
کیا تم قانع ہو؟
ہاں.....
تمہارے صبر پہ لوگ داد دیتے ہیں؟
میں مُسکراتی ہوں... وہ مجھے کب جانتے ہیں....
تو پھر تمہیں کون جانتا ہے ؟
کسی حد تک ..... ''تم'' یا پھر ''وہ'' جو سب جانتا ہے۔
تم نے زندگی سے کیا سبق پایا؟
زندگی تو ہر لمحہ سبق دیتی ہے کبھی کوئی تو کبھی کوئی۔
نصاب تبدیل کر کے دیتی ہے ہر بار.... یہی لطف ہے۔
تم خوابوں اور سرابوں کو حقیقتوں کے رُخ دیکھتی ہو تو کونسا چہرہ زیادہ اپنا لگتا ہے؟
سبھی چہرے میرے اپنے ہیں... مجھے ان سے پیار ہے۔
تم دُعائیں بہت دیتی ہو؟
ہاں... ان پر یقین ہے میرا.... کہ مجھے بھی بہت دُعائیں ملتی ہیں اور لگتی بھی ہیں۔
مگر دُعا آپ کا پیٹ نہیں بھرتی خانم ...۔

میں نے اپنا رزق محدود کر لیا ہے تا کہ زیادہ کی بھوک ہی نہ رہے، بدن کی بھوک کم ہوتو روح کی بڑھ جاتی ہے۔

وہ کیسے پوری ہوتی ہے؟

یہ بتایا نہیں جا سکتا..... مالک کا کرم ہے۔

کیا تم روحانیت کی مسافر ہو؟

میں نے کب دعویٰ کیا....

لوگ تم سے اس حد تک عقیدت کیوں رکھتے ہیں؟

معلوم نہیں...خُدا کی مہربانی ہے۔

یہ عقیدت تمہیں کیا دیتی ہے؟

دُکھ...کہ یہ مجھے نہیں جانتے ۔نہیں جان سکتے۔

تم کس کو زیادہ مان دیتی ہو۔سلوک کے مسافروں کو یا مجذوب کو..؟

اُن تمام کو جنہوں نے کمائی کی ہے...روح کی گرہیں کھولی ہیں۔

اور جو گرہوں میں گرہیں ڈالتے ہیں؟

اُن کے لئے خاموشی۔

بزرگ مشکلوں میں ڈالتے ہیں نہ ہی مصیبتوں میں ڈالتے ہیں۔

لیکن ہر حاصل ہونے والی دولت کے ساتھ اذیت بھی تو ہوتی ہے۔

میرے ربّ نے کہا کہ جان، مال، اولاد سے آزمائے گا تو وہ آزمائشیں تو لوح پر محفوظ ہیں۔

تمہیں ربّ سے کوئی شکایت نہیں؟

نہیں...وہ مالک ہے...ہماری شکایت بنتی نہیں کوئی۔

تمہارے درد کے آبلے پھوٹیں تو کیا تکلیف نہیں ہوتی۔

ہاں.... یہ... یہ رستا لہو تو سُکھ دیتا ہے۔کچھ تو ''اُس'' کی نذر کیا۔

تم اسقدر مختلف کیوں ہو؟ کچھ پانا کیوں نہیں چاہتیں؟

کچھ لوگ دُنیا میں اسی لئے آتے ہیں

کیا کبھی کچھ لینے کی خواہش نہیں ہوئی ؟
ہوئی ... بہت بار ہوئی ...مگر علم تھا نتیجہ کیا ہوگا۔
تم کبھی نہایت سفاک ہو جاتی ہو۔
ہاں جس قدر خوبصورتی ہو اس سے کہیں زیادہ بدصورتی تو انسان کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے مگر وہ اسے چھپائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہم عیب عیاں نہیں کرتے
یوں حالِ دل بیاں نہیں کرتے

تمہیں سب نرم سبھاؤ جانتے ہیں۔دھیمی آواز کو سچ مانتے ہیں۔
ہاں مگر لہجے کی سختی اور چیخ بھی میری ذات کے حصے ہیں۔
کوئی ندامت ؟
ہے....مگر وہ سچ میں سب سے چھپاتی ہوں۔
کیوں؟
اس بت کو قائم رکھنے کے لئے جو بنانے میں اِک عمر بِتائی۔
تمہاری کلائی میں گھڑی نہیں دیکھی ؟
میں وقت سے بھاگی عورت ہوں۔
خود ہی کہتی ہو کہ لمحہ مقفل ہو گیا ہے۔
ہاں ایسے کئی منظر میری آنکھوں میں زندہ ہیں۔
کیا پوری زندگی یاد ہے؟
نہیں ...اچھا ہوا کہ بہت کچھ حافظے میں نہیں رہا...اچھا ہوا بھول گئی ورنہ زندگی نہ کر پاتی۔
عورت کیا ہے؟
جسے لوگ ورت جائیں یا جو لوگوں کو ورت جائے۔
اور مرد کیا ہے؟
عموماً ایک جنس زدہ درندہ ہاں خاص لوگوں کی بات اور ہے۔
میں ان کے احترام میں جھکی ہوں۔

تم کس سے خوفزدہ ہوتی ہو؟
ہم خوف کی پیداوار ہیں ...ظلم کی پیداوار ہیں ...بھوک کی بھی۔
میں ربّ کی جمالی صفات کو مانتی ہوں اس کی رحمت کی منتظر رہتی ہوں۔
کیا تم رقص کرتی ہو؟
ہاں ... بہت مرتبہ ... کبھی ظاہر تو کبھی باطن۔
کس نے زیادہ لطف دیا؟
جذب نے ... ربّ نے۔
تمہارا آئیڈیل؟
بہت سی ہستیاں ... جن کی ذات کی اک صفت بھی پا جاؤں تو میں ہری ہو جاؤں ...
پر میرے ایسی کم ذات کہاں اور وہ سچل روحیں کہاں ...؟
تم بھی تو بہت سے لوگوں کا آئیڈیل ہو؟
اُن کی معصومیت کے قربان ... میں ان سے کیا کہوں ..؟
کیا تم بلندی سے گرنے سے ڈرتی ہو؟
نہیں ان کے دکھ کا سوچتی ہوں کہ جب وہ اصل جانیں گے تو کیا ہوگا؟
دُکھ اور سُکھ کی پوٹلی تو ربّ کے پاس ہے کس کو کتنا دُکھ ملنا ہے کتنا سُکھ ... اس کا فیصلہ تو اُس کے پاس ہے ... پھر کیوں سوچتی ہو؟
ہاں رازق تو وہی ہے .... تقسیم بھی اُسی کی ہے۔
کیا کل سے آج تک کے سفر میں تم نے آئندہ نسلوں میں کوئی کرن دیکھی؟
ہاں ... کل سے کل تک سب کچھ رقص میں ہے اور رہے گا۔ مجذوب ہر دور میں ہوتے ہیں اور کچھ ظاہر بھی ہو جاتے ہیں۔ کچھ پردے میں رہتے ہیں۔ کچھ کا ماضی حال اور مستقبل سب اخفا رہتا ہے۔ کچھ پردہ کرنے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ کچھ کے اظہار میں بھی پردہ ہوتا ہے اور کچھ کے پردے میں بھی جلوہ۔ کچھ کی خبر ان کے ساتھ چلنے والوں کو بھی نہیں ہوتی اور کچھ کا پتہ ان کے عہد کے ہر شخص کو ہوتا ہے .... مالک کی مرضی ... کسی کے عروج کو اک لمحہ اور کسی کے عروج کو سارا زمانہ ... کسی کے رقص پہ صوت نہیں اور کسی کے رقص پہ ساری کائنات جھومتی رہتی ہے۔ اور کوئی ازل سے ابد تک جذب میں ڈوبا رہتا ہے .... کسی کی ضد زمانوں کی محتاج نہیں اور کسی کی کرن کچھ عہد جگاتی ہے۔ دیے کی لو ہو جیسے جو کہیں دُور تک

اجالا کرتی ہے اور کہیں چند ثانیے کو جھلک دکھلاتی ہے۔ جب تک کائنات میں زندگی ہے ... بزرگوں، اولیاء، صوفیا سے نسلیں فیض پاتی رہیں گی۔ دینِ اسلام کا جھنڈا لہراتا رہے گا اور پھر وہ دن بھی آئے گا جب تمام مذاہب مٹ جائیں گے اور سب مشرف بہ اسلام ہونگے۔

تب کائنات کی ہر شے رقصِ مجذوب میں ڈوب کر سجدہءِ شکر ادا کرے گی۔ رحمت کی گھٹا کھُل کے برسے گی ہر بوند سمندر ہو جائے گی۔

ہر عامی خاص ہو جائے گا اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی کالی کملی سب کو اپنی رحمت کے سائے میں چھپا لے گی ... انسان کو علم ہوگا کہ خالق نے اُسے اشرف المخلوقات کیوں بنایا؟

خدائے بزرگ و برتر کے راز وہی جانے مگر دیدار مصطفیٰ ﷺ کی حسرت ہر مسلمان کے دل میں ہے ....

اُس روز دھڑکنوں کی سرگم پُکارے گی!

کائنات کی تسبیح پڑھ
دِل اپنا تختی کر!

پتھروں کو چوم کر
سکہ جیت لو
بس ایک خواہش کی اجازت ہے
چاہو تو دنیا لے لو
اور چاہو تو دنیا والا!

می رقصم

زندگی اور موت کے بیچ کھینچی لکیر No Mans Land نہیں ہے۔جبکہ Someone`s Special Land ہے۔
جہاں کسی عام شخص کو قدم دھرنے کی اجازت نہیں ہے۔ غالبًا اسی کو لوگ عالمِ برزخ کہتے ہیں .... یا پھر پل صراط ... یا پھر خودی اور بے خودی کے درمیان حالتِ کیف کی کوئی صورت۔

میں نہیں جانتی کہ وقت کن سبقوں کو دُہرانے پر مجبور ہے اور کیوں ...
شاید میں یہ جاننا ہی نہیں چاہتی کہ میں نے ہر لمحہ اک نئے لمحے میں گم ہوتے دیکھا ہے۔
تصویر کو بھلا کون تصویر کر سکے گا ...؟
میں رقص میں تھی .... ہوں اور رہوں گی۔مرے مقابل کون آئینہ صفت آئے گا۔
کون مجھ سا پیکرِ محبوب ہوگا؟
تکبر میرا رزق نہیں نہ شوخی میرا شیوہ ہاں سچ میرا ہانی ہے۔میں فنا و بقا کی منزلوں کو جانتی تک نہیں ...؟
مجھے یہ بھی علم نہیں کہ شیخ کون ہے؟
کسی کی راہنمائی لوں کہ رہنے دوں۔
میں نہ کچھ جانتی اور سمجھتی ہوں نہ اس کی اہل ہوں۔
سمجھ تو راہ کا وہ پتھر ہے جو انسان کو روک دیتا ہے۔
مجھے تو ابھی سفر کرنا ہے۔

سفر نا معلوم سے معلوم کا...نفی سے اثبات کا....آغاز سے انجام کا...لاعلمی سے شعور کا...ذات سے کائنات کا!

یہ الگ بات کہ کل میرا لباس کسی اور کے جسم پر ہو گا....مجھ اکیلی کا چہرہ کئی چہروں میں جھانکتا ہوگا....جاگتا ہوگا۔

میری فکر آئندہ نسلوں میں منتقل ہو جائے گی۔مگر میرا کوئی حصہ کسی اور وجود میں زندہ ہوگا...نمو پائے گا۔

ازل سے ابد تک رقص جاری ہے....مجذوب کا بھی محروم کا بھی۔
وہ سب جو کسی بھی دائرے کا حصہ ہیں انہیں اسمیں شامل ہونا ہوگا۔
بات چاہت یا طلب کی نہیں ہے...
اُس کی رضا کی ہے...نظرِ کرم کی ہے....وہ جسے چاہے نواز دے۔
چاہے تو پل میں بھری جھولی خالی کر دے...

چاہے تو سر سے پیروں تک گہنا دے...کہ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے اور ہر خبر رکھتا ہے....کہ کون کس لائق ہے....کس کو کیا ملنا چاہیے...اور کس کو کیا دینا ہے...؟

یہ لین دین کا قصہ جاری رہتا ہے....ہمیں سوال کی مجال نہیں...کس حیثیت سے پوچھیں اور کیوں..؟

بس جس بھی مدار کا حصہ ہیں اسی میں گم ہو جائیں....اور اپنے حصے کے رقص کو جاری رکھیں۔

کوئی ذرہ بے حیثیت نہیں پھر ہم کیسے ہو سکتے ہیں؟
میں خوش گمان ہو کہ سرِ بازار می رقصم
کوئے یار می رقصم....می رقصم....!

غنا اور فقر کیا ہے؟
تری ہی سب عطا ہے
جبینِ وقت کے اوپر
ترا بوسہ لکھا ہے

تیرے جاتے ہی موسم
خزاں کا سلسلہ ہے
یہ دل کی ہے کہانی
تجھے معلوم کیا ہے؟
چنہاں کو پار کرنا
شکستہ سا گھڑا ہے
حریمِ فن کیا ہے
ترا ہی معجزہ ہے
یہ شہرِ لامکاں ہے
جہاں تیرا پتہ ہے
میں قدموں پہ کھڑی ہوں
ترا ہی حوصلہ ہے!